مطالعۂ قرآن

کے

اصول و مبادی

از

مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی

ناشر

مکتبہ اسلام ۷-۲/۵۴ احمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ

پانچواں ایڈیشن

۱۴۳۰ھ — ۲۰۰۹ء

کتابت : ———— حسن اختر

طباعت : ———— کاکوری آفسیٹ پریس لکھنؤ

صفحات : ———— ۱۹۶

قیمت

۵۰ روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ اسلام، رؤف مارکیٹ، ۳۱- گوئن روڈ، لکھنؤ

مطالعۂ قرآن کے
اصول ومبادی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کچھ کتاب کے متعلق

از مصنف

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین خاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ٥

اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے زبان قاصر ہے، کہ اسکی کتاب عظیم کے سلسلہ کی ایک ایسی خدمت و محنت کے ابتدائی نقوش کو اس کے طالب علموں، مائدہ قرآن کے ریزہ چینوں، اور اس کے بساط فہم و مطالعہ کے تازہ واردوں کے سامنے پیش کرنے کی سعادت و مسرّت حاصل ہو رہی ہے۔ جس کی ترتیب و تسوید پر تقریباً نصف صدی کی مدّت گزر رہی ہے۔ اس کم سواد کی تحریروں، نقوش قلم، اور نتائج غور و مطالعہ میں سے شاید کوئی چیز اتنی تاخیر اور اتنے طویل وقفہ کے بعد منظر عام پر

نہیں آئی، جتنی کہ یہ قرآنی خدمت، اس کی ایک مختصر کہانی ہے، جس کا سنانا لذت سے، اور جس کا سننا فائدے سے خالی نہیں۔

سنہ ۱۹۳۴ء میں اس ہیچمداں کا تقرر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاذ تفسیر و ادب کی حیثیت سے ہوا، اور انہی دونوں مضامین کے اسباق اس کے سپرد ہوئے، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تفسیر کی قدیم و مستند کتابیں (جلالین، بیضاوی اور کشاف) داخل نصاب تھیں، لیکن اس کا شروع سے اہتمام کیا گیا تھا، کہ قرآن مجید کا مکمل متن درجوں کے معیار اور طلباء کی استعداد کا لحاظ کرتے ہوئے، مختلف درجوں میں پڑھا دیا جائے، اور قرآن مجید کا کوئی حصہ چھوٹنے نہ پائے، مکمل متن قرآن کی تدریس و تفہیم کا انتظام غالباً دارالعلوم ندوۃ العلماء کی اولیات و خصوصیات میں ہے، میرے سپرد بھی مختلف درجوں میں قرآنی اسباق ہوئے، جن میں درجہ ششم میں ابتدا کے دس پارے بھی تھے، بعض دوسرے درجوں میں طلباء کی استعداد اور درجوں کے معیار کے مطابق قرآن مجید کے دوسرے حصے تھے۔ مجھے اس مبارک خدمت اور مشغولیت کے دوران یہ محسوس ہوا، کہ طلباء کو قرآن مجید سے متعارف کرانے، اس کے اصل مقاصد اور مرکزی مضامین سے آشنا بنانے، ان میں اس سے صحیح طور پر استفادہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے، اس کے لئے ان کو تیار کرنے، اور ان غلطیوں، کمزوریوں

اور ان بیماریوں سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے جو قرآن سے استفادہ کی راہ میں حجاب بنتی اور اس کے اثرات و برکات سے محروم رکھتی ہیں اور جن کی خود قرآن مجید نے نشان دہی کی ہے، یہ مضامین گویا قرآن مجید کے مطالعہ اور ان کے انتفاع و استفادہ کے لئے اصول و مبادی کی حیثیت رکھتے ہیں، اور اس کے لئے ایک رفیق و رہبر، اور مشیر و خادم کا کام دیتے ہیں، اور اُن کی مدد سے قرآنی علوم و معارف (جن کی کوئی انتہا نہیں ہے) کا یہ سفر کسی قدر آسان و مامون ہوجاتا ہے۔

یہ مضمون مدارس عربیہ ہی کے لئے نہیں، خود دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لیے بھی ایک نیا تجربہ اور ایک جرأت مندانہ اقدام تھا، نوعمر مدرس نے جس کی عمر ۲۰ سال سے کچھ ہی متجاوز تھی اسکی ہمت کی، اور اپنے برادر معظم مولوی ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء، اور اپنے شفیق استاد مولانا حیدر حسن خاں صاحب مہتمم دارالعلوم کی اجازت سے اس کا سلسلہ شروع کیا، اور درجہ ششم میں "مضامین قرآن" کے عنوان سے غالباً ۱۹۳۶ء ۳۷ء سے اس کا آغاز کیا، یہ سلسلہ کئی سال تک چلتا رہا، طلباء نے اس سے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا، اور بڑا فائدہ محسوس کیا، یہ مضامین درجہ میں لکھوائے جاتے تھے، ان میں امتحان بھی ہوتا تھا، اور سال بہ سال اس کے دائرہ میں وسعت اور مضامین

میں تنوع پیدا ہو رہا تھا، ۱۹۴۰ء میں "الندوہ" کا سہ بارہ اجراء عمل میں آیا تو اس کے متعدد مضامین اس میں شائع ہوئے، طلباء فارغ ہو کر جاتے تو اپنے ساتھ اس کی کاپیاں بھی لے جاتے، مصنف نے مختلف طلباء سے ان مضامین کو حاصل کر کے، اور کچھ الندوہ کے پرچوں سے نقل کروا کر ان کو قلم بند کروالیا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ وہ مجموعہ ضائع ہو گیا ہے۔ طلباء اتنے مختلف مقامات کے رہنے والے ہوتے ہیں، اور وہ اکثر فارغ ہونے کے بعد اپنے مدرسہ سے رابطہ نہیں رکھتے، کہ ان سے ان مضامین کا حصول، اور ان کو پھر جمع کرنا اور صاف کرانا نہایت دشوار کام تھا اس طرح اس محنت کے ضائع ہونے پر صبر کر لیا گیا، اور سمجھا گیا کہ اس میں بھی خدا کی کوئی حکمت تھی، دوبارہ نہ اتنی محنت کی ہمت تھی، اور نہ دوسری علمی و دعوتی مصروفیات میں گنجائش۔ دارالعلوم کے متعدد فضلاء نے جو ان اسباق میں شریک رہے تھے، اور جن کو ان کی افادیت کا احساس و تجربہ تھا، بار بار تقاضہ کیا کہ ان مضامین کو شائع کر دیا جائے، لیکن اس کی کوئی صورت نظر نہ آئی

اچانک ایک دن یہ معلوم ہوا کہ اس زمانے کے ایک عزیز اور قدر شناس طالب علم[1] کے پاس کتاب کا وہ مبیضہ محفوظ ہے، اس سے ایک عزیز و قیمتی گم شدہ موتی ہاتھ آیا، اور سوکھے دھانوں

---

[1] مولوی سید محمد طاہر منصور پوری حال مددگار ناظم ندوۃ العلماء۔

پانی پڑا، مبیضہ کو دیکھا تو عمر و مطالعہ کی ترقی کے ساتھ اس میں جابجا اضافے، اور تکمیل کی ضرورت محسوس ہوئی، لیکن نہ اس کی ہمت تھی، نہ وقت میں گنجائش، اس لئے صرف ضروری مقامات پر اضافے اور تفصیل سے کام لیا گیا۔ ایک مستقل مضمون "قرآن مجید اور قدیم آسمانی صحیفے علم و تاریخ کی میزان میں" خود مصنف کی کتاب "منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین" کی بحث "خاتم النبیین" سے اخذ کر کے شامل کیا گیا، یہ بھی مناسب سمجھا گیا کہ سلف متقدمین کے طرز تلاوت، ان کے قرآن مجید کے ادب و عظمت، اور ان کے تاثر کے کچھ واقعات بھی پیش کر دیئے جائیں، کہ واقعات میں جو تاثیر اور رہنمائی ہوتی ہے وہ کسی علمی استدلال اور نکتہ آفرینی میں نہیں ہوتی۔ بعض وہ مضامین بھی حذف کر دیئے گئے، جن پر مصنف کو اپنی بعض دوسری کتابوں "ارکان اربعہ" اور "منصب نبوت" وغیرہ میں تفصیل سے لکھنے کا موقع ملا، اور وہ ان میں زیادہ وسیع اور ارتقائی شکل میں موجود ہیں۔

عزیز القدر مولوی سید محمد حمزہ حسنی ندوی ناظم مکتبۂ اسلام گوئن روڈ، لکھنؤ کے پیہم اصرار و تقاضے سے اب ان مضامین کا مجموعہ "مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی" کے نام سے قرآن مجید کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کے شائقین و طالبین کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

امید ہے کہ اس سے قرآن مجید کے مطالعہ و استفادہ میں مدد ملے گی، اس کی ذمہ داریوں کا احساس ہوگا، اور بہت سی ان مفید باتوں کا علم ہوگا جو قرآن مجید کے مطالعہ میں ممد و معاون ہیں اور بہت سے ان خطروں اور لغزشوں سے آگاہی ہوگی جو اس کی راہ میں حائل اور مانع ہیں، اور اس کے اعجاز کے بعض ایسے پہلو سامنے آئیں گے جو شاید اس تفصیل و وضاحت کے ساتھ اُردو کتابوں میں ابھی تک نہ آئے ہوں۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

ابوالحسن علی ندوی
دائرہ شاہ علم اللہ
رائے بریلی

۲۶ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ
۷ اکتوبر ۱۹۸۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کا تعارف
خود قرآن کی زبان سے

قرآن نے اپنے متعلق جو کچھ کہا ہے، اس سے قرآن کی مختلف خصوصیات اور حیثیتوں پر بڑی روشنی پڑتی ہے، اور اسکی عظمت و اعجاز کے بہت سے گوشے جو عموماً نظر کے سامنے نہیں ہوتے نظر کے سامنے آجاتے ہیں، ان مختلف اور منتشر آیتوں کو جمع کرنے اور ان پر غور کرنے سے جن میں قرآن نے خود اپنا تعارف کرایا ہے، قرآن کی معرفت کا ایک نیا دروازہ کھلتا ہے، اس موضوع پر ذیل میں مختلف آیتیں ضروری تشریح کے ساتھ ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) — قرآن قطعی اور غیر مشتبہ علم ہے

قرآن کی سب سے بڑی اور معجزانہ اور فوق البشر خصوصیت اس کا

علم قطعی اور یقینی ہوتا ہے،

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (البقرہ ۲-۱)	یہ کتاب الٰہی ہے جس میں شک کا کوئی گزر نہیں۔
وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس ۴)	احکام ضروریہ کی تفصیل بیان کرنے والا ہے، اس میں کوئی بات شک کی نہیں، تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔
وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (حٰمٓ السجدہ ۵)	اور یہ بڑی باوقعت کتاب ہے جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے، یہ خدائے حکیم محمود کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

قرآن کی اس خصوصیت میں کوئی انسانی کلام اور کوئی انسانی کتاب قرآن کے ساتھ شریک نہیں ہے، اور نہ ہوسکتی ہے، اس لئے کہ قرآن کا سرچشمہ اور ماخذ "علم الٰہی" ہے، اور اس کے نزول کا ذریعہ "وحی الٰہی" ہے، یہ سرچشمہ ہر قسم کے عیب و نقصان، شک و اشتباہ، ظن و تخمین، تدریج و ترقی، اور تعارض و اختلاف سے پاک ہے، اس میں جو کچھ ہے وہ یقینی اور قطعی ہے، مشاہد اور مرئی ہے، یکساں اور

آخری ہے، اللہ کا علم تدریجی اور ترقی پذیر نہیں ہے، اس کا علم اس کی دوسری صفات کی طرح ابدی اور دائمی ہے:—

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ○ (الحدید۔ع۔١)	وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے، اور وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی ہے، اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔

اس کا علم پورے طور پر حاوی اور محیط ہے:—

إِنَّمَا إِلَٰهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ○ (طٰہٰ۔ع۔٥)	معبود تو تمہارا بس اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی نہیں، وہی ہر چیز پر اپنے علم سے چھایا ہوا ہے۔
وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ○ (الجن۔ع۔٢)	اور اللہ تعالیٰ ان کے تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اسکو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے۔

اسکے یہاں غلطی اور نسیان کا گزر نہیں:—

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى ○ (طٰہٰ۔ع۔٢)	(موسیٰؑ نے) فرمایا کہ ان لوگوں کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے، میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔

اس کو غیر محسوس اور غیر مادی چیزوں کا بھی علم ہے، اور اس کے علم سے کائنات کا کوئی ذرہ خارج نہیں:—

عَالِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ (سبا۔ع۔۱)	وہ عالم الغیب ہے اس سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے، اور نہ کوئی چیز بڑی ہے، مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے۔

خدا کی کتاب خدا کے علم سے ماخوذ ہے، اس لئے وہ اس کی خصوصیات کی حامل اور اس کا مظہر ہے:—

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (ھود۔ع۔۲)	پھر اگر تمہاری پکار کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو کہ قرآن اللہ ہی کے علم سے اترا ہے، اور یہ بات بھی سچ ہے کہ اُسکے سوا کوئی معبود نہیں۔ اب بتلاؤ کیا تم یہ بات تسلیم کرتے ہو۔؟

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ	اور ہم نے تو ان لوگوں کے لئے ایک ایسی کتاب بھی نازل کردی جس میں علم کے ساتھ الگ الگ کر کے تمام باتیں واضح کردی ہیں اور جو ایمان

يُؤْمِنُوْنَ ۝ | والوں کے لئے ہدایت اور رحمت
(اعراف - ع - ٦) ہے۔

اس لئے اس کتاب میں (چونکہ وہ اللہ کے علم سے ماخوذ ہے) تعارض واختلاف نہیں ہے، کیونکہ تعارض واختلاف جہل وناواقفیت یا علم کی کمی بیشی، یا اس کی تدریجی ترقی، یا ظن وقیاس، یا نسیان وغفلت، یا کذب وافترا کی وجہ سے ہوتا ہے، اور وہ ان تمام نقائص سے پاک ہے، اس لئے اس کا کلام بھی ہر قسم کے تعارض واختلاف سے محفوظ ہے۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝
(النساء - ع - ١)

پھر کیا یہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے، اگر یہ کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا (اللہ کی طرف سے نہ ہوتا) تو ضروری تھا کہ یہ اس کی بہت سی باتوں میں اختلاف پاتے۔

ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی علم واطلاع کا منبع اصلی تو پورے طور پر صاف اور محفوظ ہو، لیکن کسی شخص کے لئے اس کا ذریعہ اطلاع پورے طور پر قابل وثوق نہ ہو، اپنے اصلی سرچشمہ سے کوئی چیز صحیح اور محفوظ روانہ ہوئی ہو، لیکن اپنے منتہیٰ تک پہونچتے پہونچتے وہ محفوظ نہ رہ سکی ہو، قرآن نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کا ذریعہ علم صرف

وحی ہے، اور وہ پُورے طور پر محفوظ اور مامون ہے، اور اس میں کسی قسم کی مداخلت کا امکان نہیں :

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ (شعراء - ع - ۱۱)

اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے، اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے، آپ کے قلب پر، صاف عربی زبان[1] میں، تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم - ع - ۱)

آپ اپنی خواہش سے باتیں نہیں بناتے ہیں، ان کا ارشاد خالص وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ

تم کہہ دو یہ فی الحقیقت تمہارے پروردگار کی طرف سے رُوح القدس نے اُتاری ہے

---

[1] بلسان عربی مبین کی صفت بتاتی ہے کہ اس پیغام کے الفاظ بھی اُتارنے والے ہی کے ہیں، اسلئے کہ زبان کا تصوّر الفاظ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

— از افادات مولانا سید سلیمان ندوی (معارف ۱۹۳۳ء)

اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (النحل۔ ع۔ ۱۴)	اور اس لئے اتاری ہے کہ ایمان والوں کے دل جمادے، فرمانبردار بندوں کے لئے رہنمائی ہو اور خوش خبری.

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝ (التکویر۔ ع۔ ۱)	یہ قرآن اللہ کا کلام ہے، ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا ہے، جو قوت والا ہے، مالک عرش کے یہاں ذی رتبہ ہے، وہاں اس کا کہنا مانا جاتا ہے امانت دار ہے.

اب اس کے مقابلہ میں انسانی علم کو لیجئے، اس کا سرچشمہ یقینی طور پر محفوظ اور بے عیب نہیں، اس کا ماخذ اور اس کی بنیاد اکثر ظن وقیاس ہے، اس کے ذرائع علم بھی نہایت محدود ہونے کے باوجود کبھی اتنے قوی نہیں جتنے پیغمبر کے ذرائع۔

انسان کے پاس علم کے لئے سب سے بہتر ذرائع اس کے حواسِ خمسہ ہیں، جو علم ان کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے، وہ بدیہی ہے، عقلیات میں بھی اس کے علم کی بنیاد دراصل محسوسات ہی ہیں، انھیں علوم وادراک کو انسان مقدمہ بنا کر ایسا نتیجہ نکالتا ہے، جو اس کو حواس کے ذریعہ پہلے سے نہیں معلوم تھا، لیکن حواس کا بھی یہ حال ہے کہ وہ کبھی ناقص ہوتے ہیں، کبھی خطا

کرتے ہیں[1]، عقل کا یہ حال ہے کہ اسکے مدارج میں بے انتہا تفاوت ہے[2]، پھر اس سب کے بعد بھی انسان کا علم اپنے محدود دائرہ میں بھی پورے طور پر حاوی اور کامل نہیں، اور محسوسات کو بھی ایک وقت میں محیط نہیں، عالم مادیات کے کتنے مسائل ہیں جو ابھی تک حل نہیں ہوئے اور اختلاف رائے کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں، پھر اس کے علم میں تدریج اور اس کے معلومات میں ترقی ہے اور اس ترقی کی حد کبھی بھی متعین نہیں، حد کا تعین اسکے نقصان علم کا اعلان، اور حد کا عدم تعین اس کے علم کے مشتبہ اور غیر مکمل ہونے کی دلیل ہے، اور دونوں نقص اور شبہ سے خالی نہیں۔

یہ بھی سب عالم مادیات کا حال تھا، جسکے ذرائع علم تھوڑے بہت انسان کو حاصل ہیں، مابعد الطبیعیات کی ایک پوری دنیا ہے جو مادیات کی دنیا سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ یہ پوری دنیا علم انسانی کی حدود سے باہر ہے، انسان کو خود اپنی حقیقت کا علم نہیں، اس کی ابتدا اور انتہا اس کے لئے نامعلوم ہے، اس عالم کا آغاز اور اختتام اس کے لئے ایک راز ہے، اور "عقل کو خود اپنی گرہ کی

---

[1] حواس خمسہ اور ان کی طاقت و صلاحیت کے بارہ میں مغربی فلاسفہ کی رائے معلوم کرنے کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "مذہب و تمدن" صنا۔۱۴۱

[2] عقل کے دائرہ اور حدود کے بارہ میں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "مذہب و تمدن" ص۱۴۱ تا ۱۴۸ اور "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ چہارم کا باب پنجم۔

کی عقل نہیں ہے۔"[1]

پھر خدا کی خوشی اور ناخوشی کا تفصیلی اور یقینی علم اور اس کے اوامر و احکام کی اطلاع اس کے بتائے بغیر محض ظن، قیاس اور سلامت فطرت سے نہیں ہوسکتی، خود ایک انسان دوسرے انسان کا دلی منشا، اور اسکے احکام ہمیشہ کسی قیاس، فراست یا سلامت فہم سے معلوم نہیں کرسکتا۔

اسی طرح قانون سازی، اور سیاسی اور اخلاقی نظام کی تشکیل میں وہ ہزاروں غلطیاں کرے گا، ایک ماخذ نہ ہونے کی وجہ سے مختلف نظاموں اور قوانین کا تصادم ہوگا، قانون قانون سے ٹکرائے گا، اور قومیں اُن کی خاطر قوموں سے نبرد آزما ہوں گی، مختلف خواہشات اور مصلحتیں ایک دوسرے سے متصادم ہوں گی، علم کے قطعی اور آخری نہ ہونے کی وجہ سے یہ انسانی دستور و نظام تجربہ اور آزمائش کے ہزاروں مرحلوں سے گذریں گے، اخذ و رد، اور ترجیح اور تقابل کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا، انقلاب و اصلاح کی ہزاروں تحریکیں اٹھیں گی، اور انسان کو کبھی اطمینان و سکون حاصل نہ ہوگا۔

ان تمام خرابیوں کا سرچشمہ انسان کا علم ہے جو ناقص اور ظنی ہے، اور اس پر اس کا اعتماد ہے، جو اس کا ظلم و طغیان

---

[1] یہ جملہ "مذہب و عقلیات" (از مولانا عبدالباری ندوی) سے ماخوذ ہے۔

ہے:—

وَمَآ أُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (بنی اسرائیل۔ ع۔ ۱۰)

اور تمہیں علم جو کچھ دیا گیا ہے، وہ تھوڑا ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ○ (یونس۔ ع۔ ۴)

اور لوگوں میں سے زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں، جو صرف وہم و گمان کی باتوں پر چلتے ہیں، اور سچائی کی معرفت میں گمان کچھ کام نہیں دے سکتا، یہ جو کچھ کر رہے ہیں، اللہ اس سے بے خبر نہیں۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ○ (النجم۔ ع۔ ۲)

یہ لوگ صرف بے اصل بات پر چل رہے ہیں، اور بے اصل باتیں امر حق میں ذرا بھی مفید نہیں ہیں۔

(۲) قرآن محکم اور مفصل ہے

یعنی دین کے اصول و کلیات میں اور اس علم میں جو انسان کی نجات اخروی اور فلاح دنیوی کے لئے ضروری ہے، وہ

نہایت واضح و متعین، اور غیر محتمل و مفصل ہے[۱]:

أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ (انعام۔ ع۔۱۴)	کیا میں خدا کے سوا کوئی دوسرا منصف ڈھونڈوں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے تم پر الکتاب نازل کی، جو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے والی ہے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (اعراف۔ع۔۶)	اور ہم نے ان کے پاس کتاب پہونچا دی ہے، جس کو علم و دانش کے ساتھ کھول کھول کر بیان کر دیا ہے (اور) وہ مومن لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔

---

[۱] دین کے علاوہ اور دوسرے علوم و صناعات قرآن کے موضوع سے خارج ہیں، ضمناً ان میں سے کوئی چیز آسکتی ہے۔ لیکن ان کی معلومات و تفصیلات کا ذکر قرآن کا مقصد نہیں، وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ اور اسکے ہم معنی آیتوں سے لوح محفوظ اور علم الٰہی مُراد ہے۔ اصُول و کلیات کے علاوہ دین کی جزئیات کا احاطہ بھی قرآن نے نہیں کیا، اسکے منصوص فرائض و احکام کی عملی تشریح اور تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کی گئی ہے جو وحی کے صرف نامہ بر نہ تھے، بلکہ شارح بھی تھے ــــ وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ۔ ہم نے تم پر (اے پیغمبر) قرآن نازل کیا، تاکہ تم تشریح کر دو لوگوں کے لئے اس کی، جو ان کی طرف بھیجا گیا۔

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ (ہود-ع-۱)

الف۔ لام۔ را، یہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے بتفصیل بیان کر دی گئی ہیں۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۟ (یونس-ع-۴)

اور اس قرآن کا معاملہ ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اپنے جی سے گڑھ لائے، وہ تو ان تمام وحیوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں، اور کتاب اللہ کی تفسیر ہے اس میں کچھ شبہ نہیں، تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔

لیکن اسلام میں دین کا وہ تنگ مفہوم نہیں ہے جو بہت سے اہل مذاہب نے اپنے مذہب کا قائم کر لیا ہے، یہاں انسان کے متعلق اصولی تخیل یہ ہے کہ وہ "عبد" (خدا کا بندہ ہے) اور وہ اپنی زندگی کے کسی شعبہ اور گوشہ میں بھی اس دائمی غلامی سے آزاد نہیں ہے، اس کا ہر کام، یہاں تک کہ اس کی بادشاہی (جو بظاہر غلامی کے منافی معلوم ہوتی ہے)، اس کی عبدیت ہی کا ایک مظہر ہے اس تخیل کے مطابق مذہب و سیاست کی تفریق کی بحث یہاں

پیدا ہی نہیں ہوتی، اس "عبد" کو اسکے "مولیٰ" کی طرف سے قرآن کی صورت میں ایک کلی اور اصولی مکمل دستور العمل دے دیا گیا ہے، اس دستور العمل کی ہدایت میں "عبدیت" کی پوری زندگی کامیابی کے ساتھ گذاری جا سکتی ہے، اور اس کتاب کو کسی سیاسی ضمیمہ کی ضرورت نہیں۔

(۳) قرآن "فرقان" (فاروق اور ممیز) ہے، اور یہ اس کی ایسی امتیازی صفت ہے جو اس کے نام کے قائم مقام ہوگئی ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ	بڑی عالیشان ذات والا ہے، جس نے
عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ	یہ فیصلہ کی کتاب اپنے بندۂ خاص پر
نَذِیْرًا ۝	نازل فرمائی، تاکہ وہ تمام دنیا پر
(الفرقان۔ ع۔ ۱)	جہان والوں کیلئے ڈرانے والا ہو۔

قرآن مجید نے ہدایت و گمراہی میں، ایمان و کفر میں، اسلام اور جاہلیت میں، خدا کی رضا و عدم رضا میں، یقین و ظن میں، حلال و حرام میں، قیامت تک کے لئے جو فصل و امتیاز پیدا کر دیا ہے اس کی نظیر سے مذہبی تعلیمات اور آسمانی صحیفوں کی تاریخ خالی ہے، مثال کے طور پر توحید و شرک میں اس نے جو عظیم الشان تفریق پیدا کر دی ہے، اور اس بارے میں ادنیٰ احتمال، اور ضعیف سے ضعیف اشتباہ کو اس نے جس طرح دور کیا، وہ اس کا اعجاز ہے۔

قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ — بلاشبہ ہدایت کی راہ گمراہی سے

مِنَ الْغَيِّ ۚ (البقرہ۔ع۔۳۴) الگ اور نمایاں ہو گئی۔

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ (انفال۔ع۔۴) (اور یہ اس لئے ہوگا) کہ اللہ، ناپاک کو پاک سے جُدا کر دے۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ (انفال۔ع۔۵) نیز اس لئے کہ جسے ہلاک ہونا ہے اتمام حجت کے بعد ہلاک ہو، اور جو زندہ رہنے والا ہے وہ اتمام حجت کے بعد زندہ رہے۔

(۴) قرآن کتبِ سابقہ کا مصدق اور مہیمن (نگراں) ہے

اس موقع پر تین باتیں پیشِ نظر رہنی چاہئیں:

(۱) دین کے اصول دکلیات تمام کتب سماوی، اور آسمانی تعلیمات میں مشترک اور متفق علیہ ہیں، جیسا کہ قرآن کی بہت سی آیتوں سے ثابت ہوتا ہے۔

(۲) قرآن سے پہلے تمام آسمانی صحیفے اپنے اپنے وقت کے لئے آئے تھے، اور ایک خاص وقت تک محفوظ رہے، ان میں سے دائمی صحیفہ کوئی نہ تھا۔

(۳) قرآن آخری اور دائمی صحیفہ ہے، تمام اصولِ دین پر حاوی ہے قیامت تک محفوظ رہے گا۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○ — بیشک ہم نے قرآن نازل کیا، اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (الحجر-ع-۱)

ان چیزوں کے تسلیم کرنے کے بعد یہ دعویٰ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے، کہ وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا، اور ان کی اصلی تعلیمات کی صحت و ثبوت کے لئے اس کی حیثیت سند اور معیار کی ہے، ان کتابوں کا جو حصہ قرآن کے مطابق ہے وہ صحیح اور محفوظ ہے، اور جو اصولاً اس سے مختلف یا متعارض ہے وہ محرف اور غیر محفوظ ہے۔

ایسی آیات جن میں یہ بتایا گیا ہے، کہ وہ صحف سابقہ کا مصدّق ہے، قرآن میں بہت ہیں، ذیل کی آیت میں اسکی دونوں صفتوں (مصدّق اور مہیمن) کا ذکر ہے:—

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ — اور ہم نے تمھاری طرف سچائی کے ساتھ کتاب بھیجی، ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی جو پہلے سے موجود ہیں، اور ان پر نگہبان۔ (المائدۃ-ع-۷)

(۵) قرآن سلامتی کے راستوں کی ہدایت کرتا ہے، اور تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاتا ہے:—

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ — اللہ کی طرف سے تمھارے پاس روشنی

كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

(المائدہ۔ع۔۳)

آچکی اور ایسی کتاب آچکی جو روشن ہے، خدا اس کتاب کے ذریعہ ان لوگوں پر جو خدا کی خوشنودیوں کے تابع ہوں سلامتی کے راستے کھول دیتا ہے، اور اپنے حکم سے انھیں تاریکیوں سے نکالتا، روشنی میں لاتا اور سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے۔

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ

(ابراھیم۔ ع۔۱)

الرٰ (یہ) ایک (پرنور) کتاب (ہے) اس کو ہم نے تم پر اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ، (یعنی) ان کے پروردگار کے حکم سے غالب اور قابل تعریف (خدا) کے رستے کی طرف، وہ خدا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسی کا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ

وہ ایسا ہے کہ اپنے بندہ پر صاف

اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (الحدید۔ع۔۱)	صاف آیتیں بھیجتا ہے تاکہ وہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاوے اور بے شک اللہ تمھارے حال پر بڑا شفیق مہربان ہے۔
اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (البقرہ۔ع۔۳۴)	جو لوگ ایمان لائے ہیں اُن کا دوست خدا ہے کہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے، اور جو کافر ہیں اُن کے دوست شیطان ہیں کہ اُن کو روشنی سے نکال کر اندھیرے میں لے جاتے ہیں، یہی لوگ اہلِ دوزخ ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

قرآن مجید زندگی اور اس کے تمام شعبوں میں جو ہموار و مستقیم اور تمام بے اعتدالیوں سے پاک اور بے خطر راہیں کھولتا ہے ان کے لئے " سُبُلَ السَّلٰمِ " (سلامتی کے راستے) سے بہتر تعبیر ہو ہی نہیں سکتی اور یہ انھیں جملوں میں ہے، جن کی تشریح ان کے الفاظ سے زیادہ ممکن نہیں، یہ سب (سبل) درحقیقت ایک ہی شاہ راہ (صراط) کی گلیاں ہیں، جن کی طرف پیغمبر اشارہ

کر کے کہتا ہے:۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (انعام۔ ع۔ ۱۹)

اور اس نے بتلایا کہ یہی راہ میری سیدھی راہ ہے، سو اسی پر چلو اور مت چلو اور راستوں پر کہ وہ تتر بتر کردیں تم کو اللہ کے راستے سے۔

اس موقع پر قرآن کی بلاغت کا یہ نکتہ خاص طور پر قابل غور ہے کہ اس نے "نور" کے مقابلہ میں "ظلمت" کے لئے ہمیشہ واحد کے بجائے جمع کا لفظ استعمال کیا ہے، اس لئے کہ حقیقت میں اگر وحی کی روشنی نہ ہو تو پھر زندگی کی ظلمتوں کا کوئی حد و حساب نہیں ہے اور انسانی زندگی کے راستے کی ہر گلی اور ہر موڑ پر اندھیرا ہی اندھیرا ہے، صحیح مذہب کی روشنی کو علیحدہ کر کے دیکھا جائے تو اس دنیا میں "ظلمت" کے سوا کچھ نہیں بچتا، اور یہ ایک ظلمت نہیں بلکہ بے شمار ظلمتیں ہیں، زندگی کا جائزہ لیجئے، خدارسی کی تمام راہیں گم، مذہب تمامتر رسم پرستی اور تقلید، اعتقادات تمامتر حماقت و جہالت، خیالات تمامتر اوہام اور مفروضات، علوم تمامتر قیاس و ظن معاشرت و معاملات تمامتر بے اعتدالی و ناانصافی، قانون و سیاست تمامتر آزمائش و تجربہ، حکومت تمامتر جبر و تعدّی۔

ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ

غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہیں،

إِذَآ أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا ۭ (النور۔ع۔۵)

ایک پر ایک چھایا ہوا، ایسی حالت ہے ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔

زندگی کے اس "بحر ظلمات" میں روشنی کا مینار صرف خدا کا نور ہے جس سے زمین و آسمان روشن ہیں۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ (نور۔ع۔۵)

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

اسی لئے "ظلمات" کے مقابلہ میں اس کو واحد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے[1]، جب اس سرچشمہ سے نور کا افاضہ ہی نہ ہو، تو روشنی کہاں سے آئے:

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۧ (نور۔ع۔۵)

اور جس کو اللہ نے روشنی نہیں دی، اس کے واسطے کہیں روشنی نہیں۔

جو لوگ قرآن اور پیغمبر کی مشعل افروزی سے تاریکیوں کی اس دنیا، اور گمراہیوں کی اس بھول بھلیاں سے نکل کر دن کی روشنی میں آجاتے ہیں، ان کو از سر نو زندگی ملتی ہے، نابینا کو زندگی کا کیا لطف؟

---

[1] حالانکہ عربی زبان میں اسکی جمع اور اسکے ہم معنی الفاظ موجود ہیں، یہ صحیح نہیں کہ اس کی جمع غیر فصیح ہے، قرآن مجید کے استعمال کرنے کے بعد اس کی فصاحت میں کیا شبہ رہ جاتا ہے؟ لیکن قرآن ایک کو ہمیشہ مفرد کے لفظ سے اور دوسرے کو جمع کے لفظ سے ادا کرنے کے ذریعہ ایک بڑی حقیقت کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے۔

وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کو آنکھیں مل گئیں، اس زندگی اور اس زندگی کے بعد کی تمام راہیں ان کے لئے روشن ہو جاتی ہیں، اور ان کو سبل السلام اور صراط مستقیم کھلی ہوئی نظر آتی ہے، زندگی کے سفر میں ان کا ہر قدم خدا کی روشنی میں اٹھتا ہے، اور جب تک وہ خدا کی اس رہنمائی میں رہتے ہیں، ان سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی۔

ان دونوں حالتوں اور دونوں زمانوں میں جو عظیم الشان فرق ہے، اس کو اس سے بہتر طریقہ پر ظاہر نہیں کیا جا سکتا، جو قرآن نے اختیار کیا ہے:—

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا ط	بھلا ایسا شخص جو کہ مُردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا، اور ہم نے دی اس کو روشنی کہ لئے پھرتا ہے اس کو لوگوں میں، برابر ہو سکتا ہے اسکے کہ جس کا حال یہ ہے کہ پڑا ہے اندھیروں میں وہاں سے نکل نہیں سکتا۔
(انعام۔ ع۔ ۱۵)	

قرآن کے اتباع پر خدا ایسی ہی روشنی کا وعدہ فرماتا ہے:—

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَ	اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین لاؤ اسکے رسول پر دیگا تم کو دو حصے اپنی رحمت سے اور رکھ دیگا تم میں روشنی جس کو لئے پھرو اور تم کو

يَغْفِرْ لَكُمْ ط (حدید۔ع۔۴) معاف کردے گا۔

"يَمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ" اور "تَمْشُوْنَ بِهٖ" کے الفاظ اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ یہ روشنی آخرت سے مخصوص نہیں، بلکہ دنیا کی زندگی اور اس کے تمام معاملات میں ان کو ایک خاص نور بصیرت اور قوت تمیز حاصل ہوتی ہے، وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات وحی الٰہی کی روشنی، پیغمبر کی رہنمائی اور اس "فرقان" کی مدد سے طے کرتے ہیں، جو ان کو اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے، ان کا پورا طریقہ زندگی دوسری غیر مومن قوموں کے طریقے سے ممتاز ہوتا ہے، اور ان کا یہ امتیاز صرف اس وجہ سے ہے کہ اس کی بنیاد قیاس و تجربہ پر نہیں، بلکہ وحی و رسالت پر ہے، اس مابہ الامتیاز اور فیصلہ کن علامت کی طرف دوسری آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (انفال۔ع۔۴)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لئے (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والی ایک قوت پیدا کر دے گا۔

اسی بنا پر قرآن کو اللہ نے "نور"۔ "بصائر"۔ "ہدیٰ"۔ "بینۃ" "موعظۃ" "شفاء" اور "ذکر مبارک" کہا ہے۔

(۶) قرآن مجید وہ آئینہ ہے جس میں مختلف عقائد و خیالات اور اخلاق و اعمال کے لوگ اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں، اس میں

کہیں صراحۃً کہیں اشارۃً، کہیں پچھلی قوموں اور اشخاص کے ذکر میں اور کہیں براہ راست ان کا تذکرہ موجود ہے :—

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ[1] اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (انبیاء۔ع۔۱)

ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی جس میں تمہارا تذکرہ ہے، کیا تم نہیں سمجھتے ہو۔

مشہور محدث اور امام احمد بن حنبلؒ کے شاگرد رشید شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمد بن نصر مروزی بغدادی (۲۰۲ـ ۲۹۴ھ) نے اپنی کتاب قیام اللیل[2] میں ایک عبرت انگیز واقعہ نقل کیا ہے جس سے اس آیت کے فہم میں مدد ملتی ہے، اور سلف کے فہم قرآن اور تدبر قرآن پر روشنی پڑتی ہے :۔

جلیل القدر تابعی اور عرب سردار احنف بن قیس[3] ایک دن بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے یہ آیت پڑھی :—

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا

ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل

---

[1] ذکر کی دو تفسیریں ہیں، ایک "شرف" جیسے کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے، دوسری حدیث (تذکرہ) جیسا کہ مجاہدؒ سے مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

[2] یہ کتاب قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر کے نام سے مصر و ملتان سے شائع ہوئی ہے، اصلاً ان کی یہ تین تصنیفات کا مجموعہ ہے جس کا خلاصہ علامہ احمد بن علی (م ۸۴۵ھ) نے کیا۔ [3] ولادت (۳ قبل ہجرت وفات ۷۲ھ) قبیلہ بنو تمیم کے سردار حلم و بردباری میں ضرب المثل تھے، ایران کے عظیم فاتحین میں ان کا شمار ہے، حضرت علیؓ سے اختصاص خاص تھا۔

فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○	کہ جس میں تمہارا تذکرہ ہے، کیا تم
(سورۃ الانبیاء۔ع۔۱)	نہیں سمجھتے ہو۔

وہ چونک پڑے اور کہا کہ ذرا قرآن مجید تو لانا اس میں میں اپنا تذکرہ تلاش کروں، اور دیکھوں کہ میں کن لوگوں کے ساتھ ہوں، اور کن سے مجھے مشابہت ہے؛ انھوں نے قرآن مجید کھولا، کچھ لوگوں کے پاس سے ان کا گذر ہوا، جن کی یہ تعریف کی گئی تھی:۔۔۔۔۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ	رات کے تھوڑے حصے میں سوتے
مَا يَهْجَعُوْنَ ○ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ	تھے، اور اوقات سحر میں بخشش مانگا
يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ	کرتے تھے، اور ان کے مال میں مانگنے
حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○	والے اور نہ مانگنے والے (دونوں) کا
(الذٰریٰت۔ع۔۱)	حق ہوتا تھا۔

کچھ اور لوگ نظر آئے جن کا حال یہ تھا:۔۔۔۔۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ	ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے
عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ	ہیں (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف
رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّ	اور امید سے پکارتے ہیں، اور
مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○	جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہے، اس
(السجدۃ۔ع۔۲)	میں سے خرچ کرتے ہیں۔

کچھ اور لوگ نظر آئے جن کا حال یہ تھا:۔۔۔۔۔

يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا	اور جو اپنے پروردگار کے آگے

وَّقِیَامًا ○ — سجدہ کرکے اور (عجز و ادب سے)
(الفرقان۔ع۔۶) — کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں۔

اور کچھ لوگ نظر آئے، جن کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے:—

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○
(آل عمران۔ع۔۱۴)

جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، اور غصہ کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں، اور خدا نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔

اور کچھ لوگ ملے جن کی حالت یہ تھی:—

یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۛ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○
(الحشر۔ع۔۱)

(اور) دوسروں کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو، اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہوتے ہیں۔

اور کچھ لوگوں کی زیارت ہوئی، جن کے اخلاق یہ تھے:—

وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ ○

اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں، اور جب غصہ آتا ہے تو معاف

(الشوریٰ۔ ع۔۴) کر دیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ	اور جو اپنے پروردگار کا فرمان قبول
وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَمْرُهُمْ	کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں، اور
شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ	اپنے کام آپس کے مشورہ سے کرتے
يُنْفِقُوْنَ ○	ہیں اور جو مال ہم نے ان کو عطا
(الشوریٰ۔ ع۔۴)	فرمایا ہے اسمیں سے خرچ کرتے ہیں۔

وہ یہاں پہونچ کر ٹھٹک کر رہ گئے اور کہا کہ اے اللہ میں اپنے حال سے واقف ہوں، میں تو ان لوگوں میں نظر نہیں آتا!

پھر انھوں نے ایک دوسرا راستہ لیا، اب ان کو کچھ لوگ نظر آئے، جن کا حال یہ تھا: ———

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ	ان کا یہ حال تھا کہ جب ان سے کہا
لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	جاتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں
يَسْتَكْبِرُوْنَ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ	تو غرور کرتے تھے، اور کہتے تھے، کہ
اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ	بھلا ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے
مَّجْنُوْنٍ ○	کہیں اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے
(سورۂ صافات۔ع۔۲)	والے ہیں۔؟

پھر اُن لوگوں کا سامنا ہوا جن کی حالت یہ تھی: ———

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ	اور جب تنہا خدا کا ذکر کیا جاتا ہے

اشْمَأَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ (الزمر۔ ع ۔ ۵)

تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منقبض ہو جاتے ہیں، اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے چہرے کھل اُٹھتے ہیں۔

کچھ اور لوگوں کے پاس سے گذر ہوا جن سے جب پُوچھا گیا:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ○ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۙ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۙ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۙ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۙ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ؕ (المدثر۔ ع ۔ ۲)

کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے اور ہم جھوٹ سچ باتیں بنانے والوں کے ساتھ باتیں بنایا کرتے اور روزِ جزا کو جھوٹ قرار دیتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں اس یقینی چیز سے سابقہ پیش آگیا۔

یہاں کبھی پہونچکر وہ تھوڑی دیر کے لئے دم بخود کھڑے رہے پھر کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا: اے اللہ! ان لوگوں سے تیری پناہ! میں ان لوگوں سے بَری ہوں۔

اب وہ قرآن مجید کے ورقوں کو اُلٹ رہے تھے، اور اپنا تذکرہ تلاش کر رہے تھے، یہاں تک کہ اس آیت پر جا کر ٹھہرے:۔۔۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ	اور کچھ اور لوگ ہیں جن کو اپنے گناہوں
خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ	کا (صاف) اقرار ہے، انھوں نے
اٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ	اچھے اور بُرے عملوں کو ملا جلا دیا تھا
يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ	قریب ہے کہ خدا ان پر مہربانی سے
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○	توجہ فرمائے، بے شک خدا بخشنے والا
(التوبۃ۔ ع۔ ۱۳)	مہربان ہے۔

اس موقع پر اُن کی زبان سے بے ساختہ نکلا، ہاں ہاں! یہ بے شک میرا حال ہے۔

(۷) قرآن مجید کے اعجاز کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس نے انھیں قوموں اور اشخاص کو ذکر کے لئے منتخب کیا ہے جو اپنے مخصوص اعمال و اخلاق کی وجہ سے غیر فانی ہیں، جرائم میں بھی ان نادر الوقوع جرائم کا تذکرہ نہیں کیا گیا جو صدیوں میں انسان اپنی ذکاوت اور مجرمانہ ہُنرمندی سے ایجاد کرتا ہے، اس نے انہیں افعال و جرائم کا ذکر کیا ہے جو کثیر الوقوع اور عامۃ الوقوع ہیں۔

ان حقائق کی روشنی میں قرآن مجید ایک زندہ جاوید کتاب ہے جس میں حال و ماضی، قدیم و جدید کی کوئی تقسیم نہیں، اس کا خطاب ہر تمدن اور ہر دور کے لئے یکساں ہے اور اسکی دعوت ہر دم تازہ اور حسب حال ہے، وہ انسانوں کا ایک متکلم مُرقع اور انسانی فطرت کا ایک آئینۂ مُصفّا ہے، اس کے متعلق اسکے

نازل کرنے والے نے بجا طور پر فرمایا ہے :

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝	اور ہم نے اتاریں تمہاری طرف آیتیں کھلی ہوئی اور کچھ حال ان کا جو ہو چکے تم سے پہلے اور نصیحت ڈرنے والوں کو.

(نور۔ ع۔ ۴)

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ۝	اور ہم نے بیان کی لوگوں کے واسطے اس قرآن میں سب چیز کی مثل تاکہ وہ دھیان کریں.

(زمر۔ ع۔ ۳)

لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ مَا کَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝	البتہ ان کے احوال سے اپنا حال قیاس کرنا ہے عقل والوں کو، نہیں ہے بات کہ بانذھ لی جاوے ولیکن سچا کرنے والی اس چیز کو، کہ آگے اس کے ہے، اور تفصیل ہر چیز کی، اور ہدایت اور رحمت واسطے اس قوم کے کہ ایمان لاتے ہیں.

(یوسف۔ ع۔ ۱۲)

اعجاز القرآن

قرآن مجید نے اپنے معجزہ ہونے کا خود دعویٰ کیا ہے، اور ان انسانوں کو جن کو اس کے کتابِ الٰہی ہونے میں شک ہے، مقابلہ کی دعوت دی ہے، سب سے پہلے ان آیتوں کو جمع کر کے پڑھیے:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝
(البقرہ ع-۳)

اور اگر تم کو اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد عربی) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ، اور خدا کے سوا جو تمھارے مددگار ہوں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ

کیا لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے؟ کہدو کہ اگر تم سچے ہو تو تم بھی اسی طرح ایک

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○
(یونس۔ع۔۴)

سورت بنالاؤ، اور خدا کے سوا جن
کو تم بلا سکو بلا بھی لو،

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ
فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ
مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○
فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ
وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ
اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○
(هود۔ع۔۲)

یہ کیا کہتے ہیں کہ اس نے قرآن از خود
بنالیا ہے؟ کہہ دو اگر سچے ہو تو تم بھی
ایسی دس سورتیں بنالاؤ اور خدا کے
سوا جس جس کو بلا سکتے ہو بلا بھی لو، اگر
وہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو
کہ وہ خدا کے علم سے اترا ہے
اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود
نہیں تو تمہیں بھی اسلام لے آنا
چاہئے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ
وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا
بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ
بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ
ظَهِيْرًا ○ (بنی اسرائیل۔ع۔۱۰)

کہدو کہ اگر انسان اور جن اس
بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا
بنالائیں تو اس جیسا نہ لاسکیں گے
اگرچہ وہ ایک دوسرے کے
مددگار ہوں۔

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

کہدو کہ اگر سچے ہو تو تم خدا کے پاس
سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان دونوں
(کتابوں) سے بڑھ کر ہدایت کرنے

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَاءَهُمْ ۚ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(قصص - ع - ۵)

والی ہوتا کہ میں بھی اسی کی پیروی کروں پھر اگر یہ تمھاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ بس اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو خدا کی ہدایت چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے، بیشک خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اعجازِ قرآن کا دائرہ

مندرجہ بالا آیتوں میں متشککین و مشرکین کو قرآن کا (مطلق) مثل لانے کی دعوت دی گئی ہے، اور کوئی کلام اور کتاب قرآن کی اس وقت تک مثل نہیں ہو سکتی جب تک اس کے اعجاز کے تمام شعبوں میں اور اس کی تمام خصوصیات میں مماثل نہ ہو، اور قرآن صرف اپنے الفاظ و ترکیب اور فصاحت و بلاغت ہی کے اعتبار سے معجزہ نہیں ہے بلکہ وہ اپنے الفاظ اور ترکیب میں بھی معجزہ ہے، اپنے معانی و مضامین میں بھی، اپنے اعلیٰ علوم و معارف میں بھی، معلومات غیبی اور حقائقِ ابدی میں بھی، اپنی پیش کی ہوئی مذہبی و اخلاقی و معاشرتی اور مدنی تعلیمات میں بھی، اپنے اثرات و انقلاب میں بھی، اپنی پیشینگوئیوں اور اخبار میں بھی معجزہ ہے، مگر جب صرف الفاظ میں، جو اسکے اعجاز کامل کا صرف ایک پہلو

اور گوشہ ہی کوئی مقابلہ نہیں ہو سکا، تو اسکے اعجاز کامل میں کیا مماثلت ہو سکتی ہے؟

سورۂ ہود (ع ۲) کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا امتیاز خصوصی اور اس کے اعجاز کا راز یہ ہے کہ وہ اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے، اور حقیقت میں وہ اس کے علم خاص کا ایک مظہر ہے، اس لئے اس میں انسان اپنے ظنی و مشتبہ، ناقص و محدود اور خود خدا کے بخشے ہوئے علم کے ساتھ کیا مقابلہ کر سکتا ہے؟ جس طرح خدا کی اور صفات میں انسان مماثلت نہیں کر سکتا، اسی طرح وہ خدا کے علم میں بھی کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ	اگر وہ تمھاری بات قبول نہ کریں
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ	تو جان لو کہ خدا کے علم سے اترا ہے
وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ	اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود
اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝	نہیں، تو تمہیں بھی اسلام لے آنا
(ھود۔ ع۔ ۲)	چاہیے۔

"اِنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ" کا نکتہ بتاتا ہے کہ اللہ جس طرح تمام صفات الوہیت میں یکتا ہے اسی طرح اپنے علم میں بھی، اور جب اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، تو کتابِ الٰہی کا جواب کیا ہو سکتا ہے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ	اور ہم نے اُن کے پاس کتاب
فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى	پہونچا دی، جس کو علم و دانش

وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ — کے ساتھ کھول کھول کر بیان کر دیا ہے اور وہ مومن لوگوں کے لئے ہدایت ورحمت ہے۔

(اعراف۔ع۔۶)

علم اللہ کا تعلق صرف الفاظ وترکیب سے نہیں بلکہ معانی وحقائق سے بھی ہے، لفظی فصاحت کے لئے قرآن نے جابجا اپنے کو قرآناً عربیاً، کتاب مبین اور لسان عربی مبین کہا ہے جس میں اس کے لفظی محاسن اور لسانی تفوق کی طرف اشارہ ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ إِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ — الرٰ۔ یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں، ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا، تاکہ تم سمجھ سکو۔

(یوسف۔ع۔۱)

لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ○ — مگر جس کی طرف (تعلیم کی) نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔

(نحل۔ع۔۱۴)

سورہ قصص (ع ۵) کی آیت میں قرآن کے کسی ایسے جواب کا مطالبہ کیا گیا ہے، جو ہدایت واصلاح میں اس سے فائق ہو:۔

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى — کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم خدا کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان

مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○	دونوں (کتابوں توراۃ و قرآن) سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو تاکہ میں بھی اسی کی پیروی کروں۔
(قصص۔ع۔۵)	

پس قرآن کی فصاحت و بلاغت، اور اس کا لفظی اعجاز درحقیقت قرآن کے اعجاز کا ایک گوشہ ہے، اور قرآن کا اعجاز اس میں منحصر نہیں، علمائے متقدمین نے جب قرآن کے اعجاز پر غور کیا، یا اس موضوع پر قلم اٹھایا تو زمانہ کے رجحان عام، اور عربوں کے ادبی ذوق اور زبان کی اہمیت کی وجہ سے ان کی نظر کے سامنے زیادہ تر قرآن کے اعجاز کا یہی گوشہ رہا، اور کوئی شبہ نہیں کہ انھوں نے اس دائرہ کے اندر کمال نکتہ دانی، اور حسنِ مذاق کا ثبوت دیا، اور بڑی دماغ سوزی سے کام لے کر اس موضوع پر زیادہ سے زیادہ مواد فراہم کر دیا، اس علمی ذخیرے میں اضافہ مشکل ہے اس لئے اس باب میں انھیں تالیفات کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔[1]

---

[1] تفصیلی طور پر علامہ ابوبکر باقلانی، اور ابن العربی کی اعجاز القرآن، اور مختصراً رمانی کا رسالہ النکت فی اعجاز القرآن اور بلاغت و بیان کی مجتہدانہ کتابیں، قدیم کتابوں میں سے امام عبدالقاہر جرجانی کی دلائل الاعجاز اور اسرار البلاغۃ اور متاخرین میں سے امیر المؤمنین یحییٰ یمنی کی کتاب الطراز، نیز تفاسیر میں سے علامہ جار اللہ محمود زمخشری کی تفسیر کشاف اور نحو و معانی اور بیان میں علامہ حافظ ابن قیم کی الفوائد المشوقۃ للقرآن، اس باب میں اچھے ماخذ ہیں، علمائے معاصرین میں سے علامہ محمد عبداللہ دراز کی کتاب النبأ العظیم (۱-۲) بھی قابل مطالعہ و لائق استفادہ ہے۔

قرآن مجید کا سب سے پہلا اور بڑا معجزہ اسلام ہے

قرآن مجید نے دُنیا میں مذہب و عقائد کا ایک آخری ہدایت نامہ پیش کیا ہے جس سے زیادہ محکم اور مفصل مذہبی ہدایت نامہ دُنیا میں آج تک پیش نہیں ہوا، اس سے پہلے کے مذاہب بھی (چونکہ وہ اپنے اپنے وقت کے لئے تھے) اس لئے اُس کے مقابلہ میں ناقص ہیں، اور چونکہ آسمان کا آخری صحیفہ زمین پر آچکا ہے، اس لئے یہ آخری ہدایت نامہ ہے، اس سے زیادہ انسان کو اپنے خالق سے مربوط کرنے والا، اور اس کی زندگی میں للّٰہیت اور روحانیت پیدا کرنے والا، ان تمام گمراہیوں اور بے اعتدالیوں سے دُور رکھنے والا، جس میں مذہبی قومیں مبتلا ہوئیں، اور مبتلا ہیں، کوئی ہدایت نامہ انسانی تصور کی گرفت میں نہیں آسکتا، اسی طرح اس نے انسان کی اس زندگی کے لئے ایک آسمانی، اخلاقی و مدنی دستور عطا کیا، جو دنیا میں بہترین اخلاقی و اجتماعی نتائج پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے، اور اس نے پیدا کر کے دکھلائے، جو کسی اور طریقہ پر آج تک ظہور پذیر نہیں ہوسکے وہ اجتماع انسانی کے ان تمام مسائل و مشکلات کو جو آج تک پیش آئے، یا قیامت تک پیش آسکتے ہیں، اپنے معجزانہ طریق پر ذرا ذرا سے اشارات سے حل کر دیتا ہے، وہ ایسے اصول و کلیات عطا کرتا ہے جن کی بنیاد پر ہر زمانہ میں دُنیا کا بہترین معاشرہ

قائم کیا جا سکتا ہے، اور ہر جگہ حیاتِ انسانی کی نئی تنظیم ہو سکتی ہے وہ چونکہ الٰہی ہے اس لئے تمام انسانی غلطیوں، قانون سازی کے نقائص اور قیاسات سے پاک ہے، وہ چونکہ آخری ہے اسلئے ہر قسم کی تکمیل و اضافہ سے مستغنی ہے، وہ چونکہ عالمگیر ہے اسلئے قومی و مقامی خصوصیات سے منزہ ہے، وہ چونکہ دائمی ہے اسلئے ہر قسم کے تغیر و نسخ سے آزاد ہے، وہ چونکہ کامل ہے اسلئے اس کیلئے کسی ضمیمہ کے الحاق کی ضرورت نہیں۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ	آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ	دین کامل کردیا، اور اپنی نعمتیں
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ	تم پر پوری کردیں، اور تمہارے لئے
دِيْنًا	اسلام کو دین پسند کیا۔

(مائدہ۔ ع۔۱)

اس کے نفاذ کی حالت میں وہ مسائل و مباحث پیش ہی نہیں آتے، جنھوں نے ہزاروں برس سے نوعِ انسانی کے مفکرین، اور علم الاجتماع کے ماہرین کے دماغوں کو مشغول رکھا ہے، اور جن کا آخری حل کبھی بھی پیش نہیں ہوا، اور کتنے معاشی و سیاسی مسائل ہیں، جو اس ماحول میں پیدا نہیں ہوتے، ہزاروں برس کی غلطیوں اور تجربے کے بعد دُنیا کے مفکر جس نتیجہ پر پہونچے ہیں، قرآن نے تیرہ سو برس پہلے ایک اُمّی کی زبان سے پہلے ہی بیان کردیا، یہ ہدایت نامہ اور

یہ دستور جس کا نام اسلام ہے خدا کی کارگری اور حکمت کا اعلیٰ نمونہ ہے:۔۔۔۔۔۔۔۔

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۝ (النمل۔ع۔۷)	یہ خدا کی کارگری ہے، جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا۔

اور چونکہ اس اسلام کے اصول وکلیات قرآن سے ماخوذ ہیں، اور قرآن ہی نے ان کو دنیا کے سامنے پیش کیا، اس لئے وہ اسی کا پیش کیا ہوا ایک معجزہ ہے:۔۔۔۔۔۔۔۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الجمعہ۔ع۔۱)	وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انھیں میں سے (محمدؐ کو) پیغمبر بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور انھیں (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

قرآن کے اس معجزہ کی تشریح، اور اس کے وجوہ اعجاز کو نمایاں کرنا درحقیقت اسلام کی پوری تشریح ہے جس کے لئے کتب خانے بھی کافی نہیں، ان میں بعض چیزیں اپنے اپنے محل پر بھی آئیں گی، عقائد کے باب میں اس کے عقائد کی معجزانہ ساخت اور انکی معجزانہ تکمیل، اخلاق ومعاشرت کے ضمن میں قرآن کی معجزانہ جامعیت د

حکمت پر غور کرنے کی ضرورت ہے، ان نکات و اسرار کا استقصار اور اس کے محاسن کا احاطہ کسی انسان سے کسی زمانہ میں بھی ممکن نہیں۔

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ (لقمان ۔ ع ۔ ۳)	اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں (سب کے سب) قلم ہوں، اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو (اور) اس کے بعد سات سمندر اور (سیاہی ہو جائیں) تو خدا کی باتیں (یعنی اسکی صفتیں) ختم نہ ہوں، بیشک خدا غالب حکمت والا ہے۔
قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ۝ (الکہف ۔ ع ۔ ۱۲)	کہدو کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے (لکھنے کے) لئے سیاہی ہو، تو قبل اسکے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے گا، اگرچہ ہم ویسا ہی اور (سمندر) اسکی مدد کو لائیں۔

قرآن کا دوسرا معجزہ اُسکے علوم و معارف ہیں

قرآن کا دوسرا معجزہ اس کے وہ بے پایاں علوم و معارف اور حقائق و اسرار ہیں، جو اس کتاب میں پھیلے ہوئے ہیں، اور جن میں سے ہر ایک، ایک مستقل معجزہ ہے، انسان کا علم جتنا ترقی کریگا

اور اس کی آنکھوں سے جتنے پردے اُٹھتے جائیں گے، قرآن کا جمال اس کو بے نقاب نظر آئے گا۔

درحقیقت انسانی فہم کا ظرف تنگ ہے، قرآن کی وسعتوں کا متحمل نہیں اس لئے جو کچھ حصہ میں آئے غنیمت ہے:—

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ	اسی نے آسمان سے مینھ برسایا،
اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا	پھر اس سے اپنے اپنے اندازہ
(الرعد۔ ع۔ ۲)	کے مطابق نالے بہہ نکلے۔

ان معجزات میں اعجاز کے کئی پہلو ہیں، ایک پہلو قرآنی حقائق کی ابدیت اور قطعیت سے ہے، یہ ابدیت اور قطعیت حقیقت میں علم الٰہی اور کتب الٰہیہ کا خاصہ ہے، تغیر اور اشتباہ انسانی عِلم اور انسانی معلومات کے لوازم میں سے ہے، چونکہ قرآن مجید پورے طور پر محفوظ ہے، اس لئے اس کے حقائق کی ابدیت اور قطعیت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

قدیم مذہبی صحیفوں میں انسانی عِلم کی آمیزش

مذہب اور مذہبی کتابوں میں جب انسانی دست بُرد اور مداخلت شروع ہوجاتی ہے، تو اس میں بہت سی ایسی چیزیں داخل ہوجاتی ہیں، جن کی صحت کی ضمانت خدا کی طرف سے نہیں ہوتی، اس وقت اس میں انسانی علوم اور نظریات داخل ہوجاتے ہیں، اور چونکہ انسانی

علم غیر معصوم، غیر قطعی اور محدود ہے اس لئے ان صحیفوں کی قطعیت، اور ان کے حقائق کی ابدیت قائم نہیں رہتی۔

قرآن مجید اوّل سے لیکر آخر تک ابدی اور قطعی ہے، اس میں انسانوں کے تغیر پذیر نظریات اور ان کی تحقیقات و تجارب شامل نہیں، دُنیا کے علوم و فنون جس قدر ترقی کریں طبعیات اور فلکیات میں انسانوں کے نظریات جو شکل بھی اختیار کریں، زمین مرکز کائنات ثابت ہو، یا آفتاب، زمین سطح ثابت ہو یا کُروی الشکل، سیاروں پر آبادی اور عوالم کا تعدد ثابت ہو یا نہ ہو، قرآن کے حقائق پر کوئی اثر نہیں پڑتا وہ بطلیموسی نظام نہیں ہے جو کوپرنیکی نظام سے باطل ہو جائے

لیکن اس کے برعکس بائبل انسانی تحریف و اجتہاد سے نہ بچ سکی، اس میں عوام کے مشہور اور مقبول عقائد و نظریات شامل ہو گئے، اس کی رو سے دُنیا کی عمر چھ ہزار سال ہے، زمین ایک چپٹی سطح ہے سورج، چاند اور ستارے متحرک ہیں، زمین مرکز کائنات ہے، اور باقی تمام اجسام فلکی اور غیر فلکی اسکے تابع ہیں، زمین کی دوسری طرف آبادی کا ہونا محال ہے، اس لئے کہ بقول سینٹ اگسٹائن "حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے کوئی اس قسم کی بیان نہیں کی گئی" ـــــ زمین کے کروی الشکل ہونے کے خلاف سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس طرف کے باشندوں کو حشر کے دن خداوند خدا کا ہوا سے زمین پر اُترنا کس طرح نظر آئے گا؟

یہ "الہامی" "تاریخ وسائنس ممکن ہے مؤلفین وشارحین کتب مقدسہ کے زمانے کے مشہورات یا مسلمات کے مطابق ہو لیکن اس کا حقیقت کے مطابق ہونا ضروری نہ تھا، یہ انسانی علم کی ایک خاص منزل ہوگی مگر انسان کا علم مسافر ہے مقیم نہیں، وہ جتنا آگے بڑھتا گیا اس منزل کو پیچھے چھوڑتا گیا، یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ مذہب وعقل کا ساتھ چلنا محال ہوگیا، یہ مذہب وسائنس کے تصادم اور یورپ میں مذہب کے زوال کا پہلا دن تھا، لیکن اسلام کی تاریخ میں واجبی طور پر یہ دن کبھی پیش نہیں آسکتا، انسانوں کے علوم آپس میں ٹکرائیں گے اور ٹکرا سکتے ہیں، ان میں سے ایک غلط ہوگا اور ایک صحیح، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں غلط ہوں، لیکن خدا کی محفوظ کتاب کے حقائق اور بیانات اور صحیح علم میں کوئی تصادم ممکن نہیں، جو علم اس سے ٹکرائے گا وہ صحیح علم نہیں ہوسکتا۔

علم وتحقیق جدید کی تصدیق

قرآن مجید میں جدید علمی (سائنٹیفک) حقائق کو تلاش کرنے اور ایک طرف اسکے بعض اشارات اور اجمالی بیانات، اور دوسری طرف جدید تحقیقات واکتشافات میں تطبیق (جس کی سب سے بڑے پیمانے پر کوشش اس صدی میں علامہ طنطاوی جوہری مصری نے اپنی مشہور تفسیر "جواہر القرآن" میں کی ہے) بڑا نازک اور کسی حد تک

پُرخطر کام ہے، اس لئے کہ اس کا قوی امکان ہے (اور علم و تحقیق کی تاریخ میں اس کا کئی بار تجربہ ہو چکا ہے) کہ علم و تحقیق کے یہ نتائج جو اس وقت بالکل بدیہی، اور ثابت شدہ حقائق سمجھے جا رہے ہیں، بالکل بدل جائیں یا ان کا ثبوت و قطعیت مجروح و مشکوک ہو جائے، نیز اس علمی کاوش میں (جس کی نیک نیتی اور کسی قدر افادیت میں شک نہیں کیا جا سکتا) قرآن مجید کے اصل موضوع و مقصد سے دوری، اور جدید علم و تحقیق سے مرعوبیت کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے، فلسفۂ قدیم اور مشہور متعارف تاریخی روایات کے سلسلہ میں بعض قدیم مفسرین سے بھی یہ لغزش ہوئی ہے، لیکن چونکہ اس کا حصہ قرآن مجید کی تفاسیر کے عظیم، و موقر ذخیرہ میں بہت قلیل رہا ہے، اور وہ مسلمانوں کے علمی حلقہ میں زیادہ شہرت اور وقعت حاصل نہیں کر سکا ہے، اس لئے قرآن مجید کو کسی دور میں بھی اس ابتلا کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہے، جو عہد قدیم کے صحیفوں (بائبل) کو ان رائج الوقت طبیعاتی، فلکی اور جغرافیائی تشریحات و اضافات کی شمولیت سے پیش آیا، اور جن کا نام ہی قرون وسطیٰ کی مسیحی دنیا میں "مسیحی جغرافیہ مقدس" (CHRISTIAN TOPOGRAPHY) پڑ گیا تھا۔

لیکن ایک سلیم الطبع اور منصف مزاج طالب علم (جو بیک وقت جمود اور علم جدید کی مرعوبیت سے پاک ہے) مطالعۂ قرآنی کے وقت یہ حقیقت معلوم کر کے ششدر و حیران رہ جاتا ہے، کہ اگرچہ یہ کتاب

ایک اُمّی پر آج سے چودہ سو برس پہلے عرب کے محدود اور علمی دُنیا سے منقطع ماحول میں نازل ہوئی تھی، اور اس میں بڑی تعداد میں ان حقائق و اشیاء کا ذکر آیا ہے جن کا تعلق تاریخ، جغرافیہ، طبعیات، فلکیات، اجرام سماوی، علم الحیاۃ، طب، انسان کی خلقت اور اس کے جسم کی تکوین و ترکیب، اور ایسے بہت سے علوم سے بہت گہرا ہے، جن کے بارے میں ان پچھلی صدیوں میں حقائق و معلومات کا ایک نیا عالم منکشف ہوگیا ہے، اور علم انسانی کے زمین و آسمان بدل گئے ہیں، اس میں کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی ہے جس کو علم جدید نے خلاف واقعہ ثابت کر دیا ہو، بلکہ اس سلسلہ میں بہت سے ایسے حقائق و مضمرات آ گئے ہیں جن کی علم جدید نے ابھی حال میں نقاب کشائی کی ہے، اور اس کو ان تک ابھی حال میں رسائی حاصل ہوئی ہے، اس اجمال کی تفصیل ایک کتاب نہیں بلکہ کتابوں کے ایک سلسلہ کی طالب ہے، ہم یہاں پر ایک فرانسیسی فاضل و محقق کی صرف ایک شہادت پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، حال میں مشہور فرنچ فاضل مورس بوکائی (MAURICE BUCAILLE) کی کتاب "بائبل، قرآن اور سائنس" THE BIBLE, THE QURAN AND SCIENCE اور اس کا عربی ترجمہ "دراسة الكتب المقدسة فی ضوء المعارف الحديثة" کے نام سے شائع ہوا ہے، محقق موصوف اس کتاب میں لکھتا ہے: ــــــ

" ان علمی پہلوؤں نے جو قرآن کے ساتھ مخصوص ہیں، ابتدا

ہی میں مجھے ششدر وحیران بنا دیا، میرے ذہن میں کبھی بھی یہ بات نہیں تھی کہ ایک ایسی کتاب میں جس پر تیرہ سو برس سے زیادہ مدّت گذر چکی ہے، اتنی بڑی تعداد میں مختلف موضوعات سے تعلق رکھنے والے دعوے، اور اعلانات ہوں گے، جن میں شدید تنوع پایا جاتا ہے، اور وہ جدید علمی تحقیقات سے پورے طور پر مطابق پائے جائیں گے۔[1]

مصنّف موصوف نے اس سلسلہ میں آسمانوں، زمین کی پیدائش، کائنات کے وجود، اجرام فلکی، ماہیت آسمانی، فلکی دُنیا کے ارتقاء، فضائے آسمانی، پانی اور سمندروں کے حیات انسانی میں بُنیادی کردار ادا کرنے، سطح زمین اور پہاڑوں، نباتات اور حیوانات کی دُنیا، زندگی کے مبدار و آغاز، انسانی توالد و تناسل، تربیت جنین، نیز اہم تاریخی واقعات (طوفان نوحؑ، مصر میں بنی اسرائیل کا زمانہ قیام، مصر سے حضرت موسیٰؑ کے خروج، حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کے فرعون، اس کی کیفیت موت وغیرہ) پر علیحدہ علیحدہ بحث[2] اور طبعیات فلکیات علم الحیات، طب اور تاریخ کی جدید تحقیقات کی روشنی میں قرآن مجید اور بائبل کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ :—

"تورات و انجیل کی ان تصریحات کے مقابلہ میں قرآن مجید کی

---

[1] دراسة الكتب المقدسة في ضوء المعارف الحديثة (دار المعارف القاهرة) ص ۱۴۳
[2] ان مفصل و مستقل مباحث کے لئے ملاحظہ ہو کتاب کے صفحات از ۱۵۷ تا ۲۷۱۔

تصریحات علم و تحقیق کے جدید ترین نتائج سے مطابقت میں بالکل منفرد اور ممتاز ہیں"۔[1]

وہ اپنی فاضلانہ کتاب کو ان سطروں پر ختم کرتا ہے: —

"انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ کثیر التعداد بیانات و دعاوی جو خالص علمی انداز کے ہیں، کسی انسان کی تصنیف ہو سکتے ہیں، علوم معارف کی اس سطح کو سامنے رکھتے ہوئے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں پائی جاتی تھی، اسلئے یہ نتیجہ نکالنا ہر طرح قرین انصاف وعقل ہوگا کہ یہ قرآن وحی خداوندی پر مبنی ہے اور اس کو اس لحاظ سے خصوصی مقام دیا جانا چاہیئے کہ اسکی صحت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے اور اس حیثیت سے بھی کہ وہ ایسے علمی نتائج اور مضامین پر مشتمل ہے جن کا عصر حاضر میں پورے طور پر مطالعہ اور ان کے بارے میں تحقیق کی گئی ہے پھر بھی ان کی صحت ثابت ہوئی ہے"[2]

اسی طرح قرآن مجید پر انسانوں کے وقتی، معاشی، اجتماعی اور سیاسی رجحانات کا کوئی اثر نہیں، اس کا ہدایت نامہ ان مسائل میں بھی ابدی اور دائمی ہے۔

---

[1] دراسة الكتب المقدسة في ضوء المعارف الحديثة (دار المعارف القاہرہ) ص ۲۸۶، [2] ایضاً

قرآن کا تیسرا معجزہ غیبی واقعات ہیں

قرآن مجید میں انبیاء سابقین اور گذشتہ قوموں کے متعلق جو واقعات بیان کئے گئے ہیں، وہ قرآن کا ایک مستقل معجزہ ہے، اعجاز کا پہلو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان اطلاعات کا سرچشمہ اور ان روایات کا ماخذ علم الٰہی کے فیض اور غیب کی اطلاع (وحی) کے سوا کچھ نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے، یہ واقعات و قصص زیادہ تر بلکہ تمامتر مکّی سُورتوں میں بیان کئے گئے ہیں اور وہاں باتفاق مؤرخین کوئی یہودی اور عیسائی نہ تھا، ورقہ بن نوفل جو انجیل کا علم رکھتے تھے، صحیح روایات کے مطابق نبوت کے پہلے ہی سال پہلی وحی کے بعد انتقال کر گئے تھے۔

ہجرت سے پہلے دو عیسائیوں کا آپؐ سے ملنا بیان کیا جاتا ہے ایک بحیرہ راہب، دوسرا عداس، اوّل الذکر سے شام کے شہر بُصریٰ میں، اور آخر الذکر سے حجاز کے شہر طائف میں ملنا مذکور ہے، لیکن پہلی ملاقات چند گھنٹوں، اور دوسری ملاقات چند منٹوں سے زیادہ نہیں، پہلی ملاقات کے وقت آپ کی عمر تیرہ ۱۳ سال کی تھی، اتنی چھوٹی عمر میں اور اتنی مختصر ملاقات میں (زبان کی بیگانگی کے ساتھ) کوئی ذی ہوش انسان یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ آپ نے وہ تمام علوم حاصل کر لئے جو نبوّت کے تیئس ۲۳ سال میں نہایت شرح و بسط

کے ساتھ اس صحت واتقان کے ساتھ جس سے خود یہودی اور مسیحی صحیفے قاصر ہیں، بیان فرمائے، عداس کوئی عالم نہ تھا، وہ خود آپ کا معتقد ہوا، اس لئے اتنی کمزور روایتی اور درایتی بنیاد پر کسی طرح اس قیاس کی عمارت نہیں اٹھتی کہ آپ کے علوم غیبیہ جن کا ایک ایک حرف اور نقطہ تمام تحقیقات اور انکشافات کے بعد بھی صحیح ثابت ہوا، ان لوگوں کے علوم سے ماخوذ ہیں جن کی شخصیت ہر طرح سے مشتبہ ہے، اور جن کا اضافہ ان کی اصل سے زیادہ ہے، جس چراغ میں خود نور نہ ہو اس سے دوسری مشعل کس طرح جل سکتی ہے؟ ان غریب عیسائیوں کے پاس جن سے آپؐ کے تلمذ اور استفادہ کی نسبت کی جاتی ہے خود کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو علم صحیح کہا جاسکے۔

پس اس سے ثابت ہوگیا کہ ان واقعات کا کم سے کم آپ کیلئے کوئی ذریعہ اطلاع نہ تھا، تو یہ تمامتر واقعات محض وحی الٰہی کا کرشمہ ہیں، اور اعجاز کا یہی پہلو ہے، جس کی طرف قرآن نے بار بار توجہ دلائی ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے واقعات، اور حضرت مریم علیہا السلام کے واقعات کی بعض جزئیات بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے:ــــــــــ

ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ	اے محمدؐ! یہ باتیں اخبار غیب میں سے ہیں، جو ہم تمہارے پاس بھیجتے

اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ○ (آل عمران۔ع۔۵)	ہیں، اور جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے، کہ مریم کا کفیل کون بنے، تو تم ان کے پاس نہیں تھے اور نہ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

حضرت نوح علیہ السّلام کے طوفان کا واقعہ بیان کر کے فرماتا ہے:۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ (هود۔ع۔۴)	یہ (حالات) منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں (اور) اس سے پہلے نہ تم ہی ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم (ہی ان سے واقف تھی) تو صبر کرو کہ انجام پرہیزگاروں ہی کا (بھلا) ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کر کے فرماتا ہے:۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ○ (یوسف۔ع۔۱)	(اے پیغمبر) ہم اس قرآن کے ذریعے سے، جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے، تمہیں ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں، اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔

پھر ان واقعات کو بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے :۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ	(اے پیغمبر) یہ اخبار غیب میں سے ہیں جو
اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ	ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں، اور جب برادرانِ
اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ	یوسفؑ نے اپنی بات پر اتفاق کیا تھا
يَمْكُرُوْنَ ○	اور وہ فریب کر رہے تھے، تو تم انکے
(یوسف۔ ع۔ ۱۱)	پاس تو نہ تھے۔

اسی سورہ میں فرماتا ہے کہ یہ واقعات موضوع نہیں ہیں، بلکہ ان سے کتبِ سابقہ کی تصدیق اور تفسیر ہوتی ہے :۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ	ان کے قصے میں عقلمندوں کے لئے
عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ○	عبرت ہے یہ (قرآن) ایسی بات نہیں
مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى	ہے جو (اپنے دل سے) بنالی گئی ہو بلکہ
وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ	جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی)
بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ	ہیں، ان کی تصدیق (کرنے والا) ہے،
وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ ع	اور ہر چیز کی تفصیل (کرنے والا) اور
(یوسف۔ ع۔ ۱۲)	مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے

ایک جگہ کفار کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے کہ یہ واقعات آپ کی پرانی یا قلمی یادداشت سے ماخوذ ہیں، ان کا صحیح ماخذ بیان کیا ہے :۔

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ	اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں

اکْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ — ہیں جن کو اس نے لکھ رکھا ہے اور وہ صبح شام اس کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (فرقان۔ع۔۱) — کہدو کہ اُس نے اس کو اُتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

دوسری جگہ اسی سورہ میں کفّار کے اس بیان کی پُر زور تردید کی ہے کہ آپؐ ان قرآنی واقعات کو کچھ لوگوں کی امداد سے اور سازش سے بیان کرتے تھے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا اِفْكُ ِۨ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝ (فرقان۔ع۔۱) — اور کافر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) من گڑھت باتیں ہیں جو اس (مدعی رسالت) نے بنالی ہیں اور لوگوں نے اس میں اسکی مدد کی ہے، یہ لوگ (ایسا کہنے سے) ظلم وجھوٹ پر (اُتر) آئے ہیں۔

سورۂ قصص میں ان واقعات کے ظہور کے موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی اور اُن سے آپؐ کی لاعلمی بتائی گئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ ان اطلاعات کا سرچشمہ محض وحیِ الٰہی ہے:

وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ
إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ
وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝
وَلَٰكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا
فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ
وَمَا كُنتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ
مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا
وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝
وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ
إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِن رَّحْمَةً
مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا
مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ
مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُونَ ۝

(قصص - ع ۵)

اور جب ہم نے موسیٰؑ کی طرف حکم بھیجا تو تم (طور کی) غرب کی طرف نہیں تھے اور نہ اس (واقعہ کے) دیکھنے والوں میں تھے، لیکن ہم نے (موسیٰؑ کے بعد) کئی اُمتوں کو پیدا کیا، پھر ان پر طویل مدت گذر گئی، اور نہ تم مدین والوں میں رہنے والے تھے، کہ ان کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے تھے، ہاں! ہم ہی تو پیغمبر بھیجنے والے تھے اور نہ تم اس وقت جبکہ ہم نے (موسیٰؑ کو) آواز دی، طور کے کنارے تھے، بلکہ (تمھارا بھیجا جانا) تمھارے پروردگار کی رحمت ہے، تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا، ہدایت کرو تاکہ وہ نصیحت پکڑیں

سورۂ عنکبوت میں آپ کی ان چیزوں سے بیگانگی اور آپؐ کی اُمّیت کا ذکر کیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ آپؐ اس ماحول سے قطعاً نا آشنا، اور علم کے سامان و لوازم سے بھی بیگانہ تھے، اب متشککین کے لئے اس علم کے ماخذ کے متعلق شبہ کی کیا گنجائش ہے؟:—

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ (عنکبوت ۔ ع ۔ ۵)

اور تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے، اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے، ایسا ہوتا تو اہل باطل ضرور شک کرتے۔

قرآنِ مجید اور قدیم آسمانی صحیفوں کا فرق

عصر نبوت میں یا اس کے بعد جن لوگوں کا خیال تھا کہ قرآن مجید کے علوم و واقعات تورات و انجیل سے ماخوذ ہیں، وہ تورات و انجیل سے سرے سے بے خبر معلوم ہوتے ہیں، قرآن مجید اور تورات و انجیل آج بھی دنیا میں موجود ہیں، اور یہودیوں و عیسائیوں کے عام عقیدہ کے مطابق ان کے صحیفے محفوظ بھی ہیں۔ آج بھی نہایت آسانی کے ساتھ قرآن اور ان صحیفوں کا تقابل کیا جا سکتا ہے، اور اس دعوے کی علمی تنقید کی جا سکتی ہے، انبیاء علیہم السلام کے جو واقعات قرآن اور عہد عتیق کے صحیفوں میں مشترک ہیں، ان کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے ماخوذ نہیں، بلاشبہ واقعات کے بعض اجزاء ان صحیفوں میں اس طرح مشترک و متحد ہیں کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کا اصلی سرچشمہ ایک ہی ہے، اور وہ وحی ہے، لیکن واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک چیز محفوظ رہی، اور دوسری چیز انسانی دستبرد اور

مداخلت سے محفوظ نہ رہ سکی۔ ان صحیفوں کے اسلوب بیان، مضامین کی اہمیت کے درجات، اور مرکز میں بیّن فرق ہے، دونوں کا انداز بالکل جُدا ہے، ایک میں وحی کی تاثیر، کتابِ الٰہی کی ابدیت کی شان، اور وحی کے انوار نظر آتے ہیں، اس کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان واقعات کا موضوع تاریخی نہیں ہے، بلکہ ہدایت اور عبرت و موعظت ہے، اس میں سنین نہیں ہیں، اس میں اعداد نہیں، اشخاص کی تعداد، اور ہر قسم کی وہ تفصیلات جن کا تعلق تاریخ وانساب سے ہے، اس میں نہایت مناسبت اور حسن کے ساتھ محذوف ہیں، واقعات کے سلسلہ کی وہی کڑیاں منتخب کی گئی ہیں، جو ہر زمانے میں انسانوں کے لئے ہدایت اور عبرت کا سبق بن سکیں۔

سورۂ یوسف کے آخر میں خدا فرماتا ہے:—

لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ	ان کے قصے میں عقلمندوں کے لئے
لِّاُولِی الْاَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِیْثًا	عبرت ہے، یہ قرآن ایسی بات نہیں
یُّفْتَرٰی وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ	ہے جو اپنے دل سے بنالی گئی ہو، بلکہ
بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ كُلِّ	جو کتابیں اس سے پہلے (نازل ہوئیں)
شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً	ہیں ان کی تصدیق (کرنے والا) ہے
لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۠ ع	اور ہر چیز کی تفصیل (بیان کرنے والا) اور
(یوسف۔ ع۔ ۱۲)	مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔

انبیاء اور امم سابقہ کے واقعات میں دعوت و تبلیغ کی یہی رُوح،

اور کلام الٰہی کی یہی شان ملے گی۔ کلام الٰہی کی یہی خصوصیت، اور اسکے اعجاز کی ایک دلیل ہے، پیغمبر خود اس خصوصیت کا حامل ہوتا ہے، وہ تمام غیر متعلق مباحث، اور دُور از کار تاریخی تفصیلات سے دامن بچاتا ہے، اور انھیں چیزوں کا ذکر کرتا ہے جو انسانوں کی نجات اور ہدایت کے لئے مفید ہیں۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السّلام کو ایک تاریخی بحث میں اُلجھانا چاہا، لیکن انھوں نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ، اس بحث کا دروازہ بند کردیا، اور اپنی دعوت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، فرعون نے کہا تھا:-

فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْأُوْلٰى ۝ — پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے

(سورہ طٰہٰ۔ع۔۲)

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا:-

عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝ — ان کا علم میرے پروردگار کو ہے (جو) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے، میرا پروردگار نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔

(سورۂ طٰہٰ۔ع۔۲)

اس کے مقابل توراۃ میں سلاطین، تواریخ اور کتاب پیدائش کا مطالعہ کیجئے، ان پر تاریخیت کا رنگ غالب ہے، کثرت سے سنین ہیں، اشخاص اور قبائل کی گنتیاں ہیں اور عمارتوں کی مفصل تشریح، اس میں بھی کہیں کہیں وحی کی کوئی کرن نظر آتی ہے، اور انسان کا دل گواہی دیتا ہے، کہ یہ خدا کے کلام کا ترجمہ

ہو سکتا ہے۔

حضرت یوسفؑ کا قصہ بائبل اور قرآن میں

ہم تورات و قرآن کا فرق سمجھانے کے لئے مثال کے طور پر حضرت یوسفؑ کا قصہ انتخاب کرتے ہیں، جو قرآن اور تورات میں خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

تورات میں واقعہ کے بہت سے اجزا، قرآن سے زائد ہیں، لیکن عموماً یہ وہ اجزا ہیں جن میں ناموں کی تعیین ہے، اور تاریخی تفصیلات ہیں۔ (ب) میں یہودا کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کو پڑھ کر تہذیب کی آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں، وہ حضرت یعقوبؑ کے گھرانہ کے کسی طرح شایانِ شان نہیں، بعض ایسی چیزیں مذکور ہیں جو حضرت یوسفؑ کی شانِ نبوت کے منافی ہیں، (ب ۴۲)

قرآن مجید میں ان واقعات کے بعض ایسے اہم اجزا، مذکور ہیں جو تورات میں بالکل محذوف ہیں۔

(۱) تعبیر خواب کے سلسلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کا دل پذیر اور دل نشین توحید کا وعظ جو حکیمانہ تبلیغ و دعوت اور پیغمبرانہ حکمت و موعظت کا بہترین نمونہ ہے، اور جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا جمال پوری طرح عیاں ہے، تورات میں مطلقاً مذکور نہیں۔

[سورۂ یوسف از آیت ۳۶ تا ۴۱]

قرآن کہتا ہے کہ شاہ مصر نے جب خواب دیکھا اور حضرت یوسف علیہ السّلام کی بتلائی ہوئی تعبیر سُنی، تو اس کو آپؑ سے ملنے کا اشتیاق ہوا، اور اس نے آپؑ کو لانے کے لئے قاصد بھیجا، آپؑ نے اس موقع پر جیل خانے سے نکلنے میں عجلت نہیں کی، بلکہ یہ ضروری سمجھا کہ آپؑ کے رہا ہونے سے پہلے اس واقعہ کی تحقیق کرلی جائے جس کے غلط الزام میں آپؑ کو جیل خانہ میں رہنا پڑا تھا، تاکہ جس طرح اس الزام کی شہرت ہوئی ہے، اس بے گناہی اور پاک دامنی کی بھی شہرت ہوجائے اور آپؑ کی رہائی محض بادشاہ کا کرم نہ سمجھا جائے، بلکہ آپؑ کی برائت اور صفائی کا نتیجہ، یہ واقعہ حضرت یوسف علیہ السّلام کی شانِ نبوت، آپکی خاندانی غیرت وخودداری، اور آپؑ کے فہم وفراست کے عین مناسب ہے لیکن یہ پورا واقعہ تورات میں مذکور نہیں ہے۔

تورات میں یہ عبارت ہے:

"یہ تاویل فرعون کی نگاہ میں، اور اس کے سب نوکروں کی نگاہ میں اچھی معلوم ہوئی، فرعون نے اپنے نوکروں کو کہا، کیا ہم ایسا جیسا یہ مرد ہے، کہ جس میں خدا کی رُوح ہے، پاسکتے ہیں؟ اور فرعون نے یوسفؑ سے کہا، ازبس کہ خدا نے اس سب میں تجھے بینائی دی ہے سو تجھ جیسا عاقل اور دانش مند نہیں ہے، تو میرے گھر کا مختار ہو اپنا حکم میری سب رعیت پر جاری کر، فقط تخت نشینی میں میں تجھ سے بزرگ تر رہوں گا۔" (کتاب پیدائش آیۃ ۳۰ تا ۴۰)

(۲) قرآن کہتا ہے :-

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ إِلٰى	اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا
رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ	حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ
الّٰتِيْ قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّيْ	لئے تھے، بیشک میرا پروردگار ان کے
بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ○ (یوسف آیۃ ۵۰)	مکروں سے خوب واقف ہے۔

اور جب خود عزیز نے، جس کے الزام پر آپؑ جیل خانہ گئے تھے، اپنی زبان سے آپؑ کی برأت کا اعلان کیا، تو آپؑ نے اس تاخیر اور اس تحقیق کے مطالبہ کا سبب بتلایا :-

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّيْ لَمْ	یوسفؑ نے کہا کہ میں نے یہ بات اسلئے
أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ	(پوچھی ہے) کہ عزیز کو یقین ہو جائے کہ
أَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ	میں نے اسکی پیٹھ پیچھے اسکی (امانت میں)
كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ○	خیانت نہیں کی، اور خدا خیانت کرنے
(یوسف آیۃ ۵۲)	والوں کے مکروں کو رو براہ نہیں کرتا۔

پھر خودی کے شبہ کو دور کرنے کے لئے آپؑ نے پیغمبرانہ انابت کے ساتھ فرمایا :-

وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِيْ إِنَّ النَّفْسَ	اور میں اپنے تئیں پاک صاف نہیں کہتا
لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ إِلَّا مَا رَحِمَ	کیونکہ نفس امارہ (انسان کو) برائی ہی سکھاتا
رَبِّيْ إِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○	رہتا ہے، مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم
(یوسف آیۃ ۵۳)	کرے بیشک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے

یہ صاف نبوت کا کلام معلوم ہوتا ہے، اور اس میں حضرت یوسف علیہ السّلام کی سیرت اور کردار کا جلوہ صاف نظر آتا ہے، تورات سے یہ اہم اور موثر حصہ بالکل حذف ہے۔

(۳) حضرت یعقوب علیہ السلام کی گفتگو میں جو تورات میں منقول ہے نبوت کی جھلک اور قلبیت کا وہ نور نہیں ہے جو قرآن میں نظر آتا ہے، تورات، کتاب پیدائش اور قرآن سورۂ یوسف کا مقابلہ کر کے دیکھئے، قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ متوکل علی اللہ بزرگ ہیں، ہر واقعہ میں ان کو خدا کی قدرت کا ہاتھ نظر آتا ہے، بات بات پر وہ اللہ کا نام لیتے ہیں اور اس کی بڑائی بیان کرتے ہیں، لیکن تورات میں وہ ایک دردمند، صاحب اولاد اور ایک سن رسیدہ تجربہ کار کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔ بنیامین کے رہ جانے کے بعد بھائیوں کا حضرت یعقوبؑ کے پاس واپس جانا، اور حضرت یعقوب علیہ السّلام کی دردمندانہ اور پُرسوز گفتگو، جس میں متوکلانہ شان بھی جھلکتی ہے، تورات سے بالکل حذف ہے[1]۔

(۴) قرآن مجید میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السّلام اپنے چھوٹے ہوئے باپ، اور بچھڑے ہوئے بھائیوں سے جب مصر میں ملے، تو ان کا دل شکریہ اور خدا کی حمد سے لبریز ہوگیا، حکومت و اقتدار

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب پیدائش ۴۴ و ۴۵

کی آرائشوں میں ان کی خاندانی دینداری اور نبوت کی روشنی چمکی، اور عزت و وجاہت کی سرفرازی میں بندگی کا عجز نمایاں ہوا، اور انھوں نے خدا کا شکریہ اس طرح ادا کیا، اور اس سے اس طرح دعا کی: ——

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ	اے میرے پروردگار تونے مجھ کو حکومت
وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ	سے بہرہ دیا، اور خوابوں کی تعبیر کا علم
فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ	بخشا، اے آسمان اور زمین کے پیدا
وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ	کرنے والے، تو ہی دنیا و آخرت میں میرا
تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ	کارساز ہے، تو مجھے (دنیا سے) اپنی اطاعت
بِالصّٰلِحِیْنَ ○	(کی حالت) میں اٹھائیو اور (آخرت میں)
(یوسف آیۃ ۱۰۱)	اپنے نیک بندوں میں داخل کیجیو۔

یہ موثر منظر اور مکالمہ بھی تورات سے محذوف ہے۔

(دیکھو کتاب پیدائش ب ۴۶ د ب ۴۷) ————

انبیاء کی سیرت تورات و قرآن کے مُرقع میں

قرآن مجید اور تورات کے درمیان ایک بڑا عظیم الشان فرق یہ ہے کہ قرآن نے انبیاء کی سیرت بالکل بے داغ اور ایسی پاکیزہ پیش کی ہے جو اُن کے منصب و مقام کے بالکل مطابق ہے بلکہ اس نے ان تمام الزامات اور تہمتوں کی تردید کی ہے جو ان کے دشمنوں یا نادان دوستوں میں مشہور تھیں، لیکن عہد عتیق کے

صحیفوں میں ان انبیاء کے متعلق ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں، جن کو پڑھ کر تہذیب کی آنکھیں جھک جاتی ہیں، اور حیاء کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے، ان پر کہیں کفر کے الزامات لگائے گئے، اور کہیں فسق کے،

کتاب پیدائش کے باب ۹ میں حضرت نوح علیہ السّلام کے متعلق

کتاب پیدائش کے باب ۱۹ میں حضرت لوط علیہ السّلام کے متعلق

کتاب خروج کے باب ۳۲ میں حضرت ہارون علیہ السّلام کے متعلق"

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق کتاب سلاطین کے باب ۱۱ میں صاف صاف کفر و شرک، اور فسق و فجور کی شہادتیں موجود ہیں۔

لیکن قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السّلام کو رسُول امین کہا گیا ہے۔ (سورۂ شعراء)، اور ان پر سلامتی اور برکات بھیجے گئے۔ (ھود۔ع۔۴) حضرت لوطؑ کے متعلق فرمایا گیا:

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۙ (الانبیاء۔ع۔۵)	اور لوطؑ (کا قصہ یاد کرو) جب انؑ کو ہم نے حکم (یعنی حکمت و نبوت) اور علم بخشا، اور اس بستی سے جہاں کے لوگ گندے کام کیا کرتے تھے، بچا نکالا، بے شک وہ بُرے اور بدکردار لوگ تھے۔

تورات میں حضرت ہارُون علیہ السلام پر گوسالہ پرستی کا جو صاف صاف الزام لگایا گیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"بنی اسرائیل کے کہنے سے موسیٰؑ کی غیبت میں ہارُونؑ نے زیور کا ایک بُت بنایا، اور تمام بنی اسرائیل سے اس کو پجوایا، اور اس کے لئے قربانیاں گذارنے کا حکم دیا، اور یہ کہا کہ یہ تمہارا معبُود ہے، جو تمہیں مصر کی زمین سے نکال لایا ہےؑ"

قرآن اس کی صاف تردید کرتا ہے اور اس کے بالکل برعکس ان کی دعوتِ توحید کا ذکر کرتا ہے:۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ	اور ہارونؑ نے ان سے پہلے ہی کہدیا
يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ	تھا، کہ لوگو! اس سے صرف تمہاری
رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ	آزمائش کی گئی ہے، اور تمہارا
وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ ۝	پروردگار تو خدا ہے تو میری پیروی
(طٰہٰ۔ ع۔ ۵)	کرو اور میرا کہا مانو۔

حضرت سُلیمان علیہ السّلام کے متعلق تورات کے الفاظ یہ ہیں:۔

"کیونکہ جب سلیمانؑ بڈھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اُسکے دل کو غیر معبُودوں کی طرف مائل کر لیا، اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا، جیسا اس کے باپ داؤدؑ کا دل تھا کیونکہ

لہ کتاب خروج باب ۳۲

سلیمان صیدانیوں کی دیوی عستارات اور عمونیوں کے نفرتی ملکوم کی پیروی کرنے لگا، اور سلیمانؑ نے خداوند کے آگے بدی کی، اور اس نے خداوند کی پوری پیروی نہ کی جیسی اس کے باپ داؤدؑ نے کی تھی"[1]

آگے چل کر کہا گیا ہے،

"اور خداوند سلیمانؑ سے ناراض ہوا، کیونکہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا تھا، جس نے اسے دوبارہ دکھائی دیکر اس کو اس بات کا حکم کیا تھا کہ وہ غیر معبودوں کی پیروی نہ کرے، اس نے وہ بات نہ مانی جس کا حکم خداوند نے دیا تھا"[2]

سورۂ صٓ میں ان کے اخلاص و عبدیت کاملہ اور ان کے قرب و وجاہت کو بیان کیا گیا ہے:

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝	اور ہم نے داؤد کو سلیمانؑ عطا کئے بہت خوب بندہ (تھے اور) رجوع کرنے والے تھے۔
(صٓ-ع-۳)	

آگے چل کر فرماتا ہے،

وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ	اور بیشک ان کے لئے ہمارے یہاں

---

[1] کتاب مقدس، سلاطین باب ۱۱، آیت ۵-۶-۷، (شائع کردہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور)

[2] ایضاً باب ۱۱، آیت ۱۰-۱۱

اسی طرح حضرت مسیحؑ اور اُن کی والدہ پر یہودیوں نے جو کچھ الزامات لگائے تھے اور ان کی طرف جن باتوں کی نسبت کرتے تھے، قرآن مجید نے ان کی صاف صاف تردید کی ہے، اور حضرت مسیحؑ کو خدا کے ایک مکرم اور وجیہ اور مُبارک پیغمبر کی حیثیت سے پیش کیا ہے، (ملاحظہ ہو سُورۂ آل عمران، سُورۂ مائدہ، سُورۂ مریم اور سُورۂ زخرف)۔

ان مضامین میں جو قرآن اور صحف سابقہ کے درمیان مشترک ہیں، قرآن مجید اور ان صحیفوں کے درمیان جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہیں اور جن کے متعلق ان کے ماننے والے کہتے ہیں کہ وہ محفوظ ہیں، یہ اصولی فرق ہے، باقی وہ مضامین اور تعلیمات جن میں قرآن منفرد ہے، اس کے علاوہ ہیں، اس کے بعد یہ کہنا کہ قرآن مجید ان قدیم معلومات میں صحف سابقہ کا خوشہ چین ہے، قرآن مجید نیز اپنی مذہبی کتابوں سے ناواقفیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے، قرآن مجید کے مضامین براہ راست علم الٰہی سے ماخوذ ہیں اور ان کی اطلاع کا سرچشمہ وحی آسمانی ہے اس لئے وہ حقیقت کے بالکل مطابق بے داغ اور بے عیب ہر قسم کے شک واشتباہ سے پاک ہے، وہ صحف سابقہ کی انسانی تحریفات اور یہودیوں کے انبیاء مقدسین کے متعلق ہر قسم کی غلط بیانیوں

اور بہتان تراشیوں کی تردید کرنے والا اور ان کتابوں کا مصدّق و مہیمن ہے۔

صحف سابقہ کی تحریفات پر تنبیہ اور مذاہب سابقہ کے عقائد و فرق کے باریک فرق

قرآن کے اعجاز کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس نے یہودیوں اور عیسائیوں کے مختلف مذہبی فرقوں کے اختلافی عقائد اور خیالات کو جن سے عام آدمی واقف نہیں ہے بڑی صحت اور پختگی کے ساتھ بیان کیا ہے، اور ان کے مختلف مذہبی خیالات و اختلافات کے سلسلے میں بڑی نازک باریک باتوں کا خیال رکھا ہے، قرآن نے تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ ان کے جو عقائد و اختلافات بیان کئے ہیں ان کے مذہبی ذخیرہ کے وسیع اور گہرے مطالعہ سے اس کے لفظ لفظ کی تصدیق ہوتی ہے، جس قدر ان مذاہب سے گہری واقفیت پیدا ہوتی جا رہی ہے اور ان کی کتابوں کے (جو اب کثرت سے شائع ہوتی جا رہی ہیں) گہرے مطالعہ کے مواقع و ذرائع بڑھتے جا رہے ہیں، قرآن کے بیانات کی تصدیق ہوتی جاتی ہے، اور عجیب عجیب حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ

قرآن مجید میں ان کے بارے میں کوئی لفظ ضائع و بے کار نہیں، اور اس کے الفاظ و تعبیر کا کوئی فرق بے محل نہیں ہے۔

اسی طرح اشخاص و واقعات کے سلسلے میں قرآن نے جن چیزوں پر زور دیا، یا جن چیزوں کی نفی کی ہے، وہ اس وجہ سے ہے کہ یہودی و عیسائی ان چیزوں کو نہیں مانتے تھے، اور ان کے بعض الزامات و روایات کی تردید مقصود ہے، یہاں پر اس کی صرف تین مثالیں پیش کی جاتی ہیں:۔

(۱) قرآن مجید نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے "کفر" کی نفی کی ہے اور کہا ہے:۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا (البقرہ۔ ع۔ ۱۲)	اور سلیمانؑ نے مطلق کفر کی بات نہیں کی، بلکہ شیطان ہی کفر کرتے تھے۔

ایک خالی الذہن اور سلیم الفطرت انسان کو اس پر تعجب ہو سکتا تھا کہ ایک جلیل القدر نبی سے کفر کی نفی کی کیا ضرورت تھی ۔؟ نبوت کا منصب نہ صرف ایمان کا مستلزم ہے، بلکہ نبی برحق اہلِ ایمان کا امام و قائد، پیشوا و مقتدیٰ، اور اپنی امت کے لئے ہدایت و ایمان کا ذریعہ اور سرچشمہ ہوتا ہے۔

لیکن بائبل میں حضرت سلیمانؑ کے متعلق جو تصریحات آئی ہیں، اور جن کے بعض نمونے پچھلے صفحات میں گزرے ہیں، اور ان کے

بارے میں یہودیوں میں (معاذ اللہ) شرک و وثنیت، اور تعلیم سحر وغیرہ کی جو روایات مشہور و مقبول عام تھیں، نیز یہودی لٹریچر (دائرۂ معارف یہودیہ- JEWISH ENCYCLOPAEDIA) اور دائرۂ معارف مذاہب و اخلاق (ENCYCLOPAEDIA OF RELEGIONS ETHICS) وغیرہ مآخذ کے شائع ہونے کے بعد ان کے بارہ میں یہودی نقطۂ نظر، اور تاریخی پس منظر کا جو علم ہوتا ہے، اس کو سامنے رکھ کر، اس نفی و تردید، اور حضرت سلیمان علیہ السّلام کی عصمت و براءت کے قرآنی بیان کی قدر و قیمت، اور اہمیت و ضرورت واضح ہو جاتی ہے، یہودی اور عیسائی دُنیا (جس کے نزدیک عقائد و تعلیمات کا مآخذ قرآن نہیں بائبل تھی) اپنے اسی قدیم خیال پر قائم رہی، لیکن بالآخر اس کو اسی صداقت کی طرف آنا پڑا جس کا دُنیا کے تمام علمی متمدن مرکزوں سے دُور بیٹھ کر صحرائے عرب میں ایک نبیٔ امی نے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے اعلان کیا تھا انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے (جو برطانوی تحقیق و کاوش کا لب لباب ہوتا ہے) اس مقابلہ میں جو حضرت سلیمانؑ پر ہے، صاف طور پر کہا گیا ہے:۔

"سلیمان خدائے واحد کا مخلص پرستار تھا۔"[1]

---

[1] ج ۲ ص ۹۵۲ طبع چہاردہم۔

انسائیکلو پیڈیا ببلیکا (Encyclopadia Biblica) جو خاص مسیحی فضلاء اور ماہرین علوم عہد عتیق کی تحقیق و تدقیق کا ثمرہ ہے، میں صاف طور پر اسکا اظہار کر دیا گیا ہے کہ بائبل کی وہ آیتیں جن سے حضرت سلیمانؑ کا (معاذ اللہ) کفر و شرک ثابت ہوتا ہے، بڑھائی گئی ہیں، اور الحاقی ہیں اور اپنی بیویوں کے اثر سے ان کے دیوتاؤں کی پرستش کے الزام کی صاف تردید کی گئی ہے[1]

(۲) قرآن شریف میں خلق سموات و ارض کے بعد آتا ہے کہ اس عمل خلق و تکوین کے بعد اسکو کسی طرح کا تکان اور آرام کرنیکی ضرورت پیش نہیں آئی،

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور
وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا	جو (مخلوقات) ان میں ہے سب
مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ○	کو چھ دن میں بنا دیا، اور ہم کو
(سورہ ق ۔ع۔۳، آیت ۳۸)	ذرا بھی تکان نہیں ہوا۔

ایک سلیم الفطرت انسان اس کو پڑھ کر تعجب کر سکتا ہے کہ اس قوی و عزیز، قادر و قاہر خدا کو جس کی صفت ہے، وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا (اور زمین و آسمان کی نگہبانی اس کے لئے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں) اور لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (اور اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند) اس کی صفائی دینے کی کیا ضرورت تھی، کہ وہ اس خلق و تکوین کے بعد تھکا نہیں؟ لیکن

---

[1] مستفاد از تفسیر ماجدی، ملاحظہ ہو تفسیر آیت " وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا "۔

جب بائبل کی اس عبارت پر نظر پڑتی ہے کہ خدا نے چھ دنوں میں زمین و آسمانوں کو بنایا، اور ساتویں دن آرام کیا تھا[1] (پیدائش ۲:۲) بائبل کے عربی ترجمہ میں فاستراح فی الیوم السابع کے الفاظ ہیں، (ساتویں دن استراحت کی) کنگ جیمس کی مستند انگریزی بائبل میں حسب ذیل الفاظ ہیں۔

"AND HE RESTED ON SEVENTH DAY FROM ALL HIS WORK WHICH HE HAD MADE" (1)

ان تصریحات کے پڑھنے کے بعد ہی فرمانِ خداوندی وَمَا مَسَّنَا مِن لُّغُوبٍ ۝ کی ضرورت، معنویت اور افادیت صحیح طور پر سمجھ میں آتی ہے، اور معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ کس جہالت اور جرأت کی تردید، اور کس غلط فہمی یا غلط بیانی کا ازالہ ہے، جس میں علم و ہدایت کے سب سے بڑے مدعی ہزاروں برس مبتلا رہے، اور شاید اسی کی یادگار میں آج تک وہ "سبت" مناتے ہیں، اور اس میں کچھ کام نہیں کرتے۔

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی علماء اور مترجمین کو بعد میں اس غلطی کا احساس ہوا کہ وہ خدا کی طرف کس کمزوری کو منسوب کررہے ہیں اور انہوں نے اپنے اصول و معمول کے مطابق تراجم پر نظرِ ثانی کرنے کے وقت اس تعبیر میں ترمیم کردی، ہمارے سامنے برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی کا ۱۹۵۵ء کا جو ایڈیشن ہے اس میں اس کے بجائے حسب ذیل عبارت ہے "اور اپنے سارے کام سے جسے وہ کررہا تھا، ساتویں دن فارغ ہوا" (۲ ۱۰۲)

(1) Gen. 2:2

(۳) حضرت مسیحؑ کے بارے میں عیسائیوں کے عقیدہ کو قرآن مجید نے تین طرح سے ذکر کیا ہے:—

۱۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ

(المائدہ۔ع۔۳، آیت ۱۷)

(المائدہ۔ع۔۱۰، آیت ۷۲)

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰؑ ابن مریم خدا ہیں وہ بیشک کافر ہیں۔

۲۔ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ

(التوبۃ۔ع۔۵، آیت ۳۰)

اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیحؑ خدا کے بیٹے ہیں۔

۳۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ

(البقرۃ، آیت ۱۱۶)

(یونس، آیت ۶۸)

اور یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا اولاد رکھتا ہے (نہیں) وہ پاک ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝

(مریم۔ ۸۹-۸۸)

اور کہتے ہیں کہ خدا بیٹا رکھتا ہے (ایسا کہنے والو یہ تو) تم بری بات (زبان پر) لائے ہو۔

وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۝

(مریم۔ ۹۲)

اور خدا کو شایاں نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ (الاسراء - ۱۱۱)	اور کہو کہ سب تعریف خدا ہی کو ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے۔
وَیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (الکہف - ۴)	اور ان لوگوں کو بھی ڈرائے جو کہتے ہیں کہ خدا نے (کسی کو) بیٹا بنالیا ہے۔

کیا یہ صرف اسالیب بیان کا فرق ہے، اور یہ سب معنیً متحد و مرادف ہیں؟ لیکن مسیحی فرقوں کی تاریخ، اور ان کے عقائد کی تفصیل معلوم ہونے کے بعد جواب روشنی میں آچکی ہے، الفاظ کے اس دقیق فرق کی افادیت و اہمیت سمجھ میں آتی ہے، اور خاص طور پر جب یہ معلوم ہوگیا کہ مسیحیوں میں ایک مستقل فرقہ Adoptionist کا ہے جو حضرت مسیحؑ کے صلبی اولاد ہونے اور ان کی ابنیت وولدیت کا قائل نہیں، بلکہ صرف اس کا قائل ہے کہ خدا نے معاذ اللہ ان کو متبنّیٰ (Adopt) کرلیا تھا، تو قرآن کے اعجاز کا قائل ہو جانا پڑتا ہے۔ نبی عربی امی نے حجاز میں بیٹھ کر چودہ سو برس پہلے وحی کی بنیاد پر اس حقیقت سے پردہ اٹھایا تھا، اور اس دقیق فرق کو جس سے اچھے پڑھے لکھے عیسائی بھی واقف نہ تھے ملحوظ رکھا تھا، مولانا

عبدالماجد صاحب دریابادی لکھتے ہیں: ــــــ

"مسیحیوں کا ایک زبردست فرقہ Adoptionist اتحادیوں کے نام سے گذرا ہے، ان کے مرکزی عقیدہ کے لئے اصلاحی لفظ تبنیت یا اتحادیت Adoptionism کا ہے، ان کے عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ "اقنوم اول یعنی خدائے برتر و اعظم نے انھیں اپنا بیٹا قرار دے کر اپنا متبنی بنا کر شریک الوہیت کرلیا، اور اب وہ الوہیت، مالکیت وغیرہ جملہ صفات الٰہی میں شریک و سہیم ہے"۔ اس عقیدہ کے وجود کی شہادت تاریخ میں ۱۸۵ء میں ملتی ہے۔ آٹھویں صدی میں پاپائے رُوم نے اسے الحاد و زندقہ قرار دیا، آیت میں صاف اشارہ مسیحیت کی اسی شاخ کی جانب ہے"۔[۱]

یہ تمام دقیق باتیں، اور یہ معجزانہ پہلو کسی انسان کے بس کی بات نہیں تھی، جس کو یہودیوں، عیسائیوں کے اندرونی اور گہرے واقعات و خیالات کا پُورا علم نہیں تھا، یہ عالم الغیب کا صحیفہ ہے جس میں کوئی شک و اشتباہ، اور اس کے علم میں کوئی نقص و عیب نہیں۔

---

[۱] تفسیر ماجدی جلد اوّل صہ۲۰۴

وَإِنَّهُ لَكِتٰبٌ عَزِيزٌ	اور یہ تو ایک عالی مرتبہ کتاب ہے
لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ	اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے
يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ	ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے (اور)
تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝	دانا (اور) خوبیوں والا (خدا) کی
(حٰمٓ السجدہ۔ ع۔۵)	اتاری ہوئی ہے۔

قرآنِ مجید کی ایک اہم پیشین گوئی

(غلبۂ روم)

پیش گوئی کی اہمیت و غرابت اور اُسکا اسلوب بیان

قرآن مجید کا ایک اعجاز اس کی پیش گوئیاں ہیں، معجزہ اسی چیز کو کہتے ہیں، جو خارق عادت طریقہ پر محض خدا کی قدرت سے کسی پیغمبر کی تصدیق کے لئے ظاہر ہو، اور انسانی عقل اس کی ظاہری توجیہ و تعلیل سے قاصر ہو، جن حالات میں یہ پیش گوئیاں کی گئی ہیں، اور جس طرح ان کا ظہور ہوا، وہ ایک معجزہ ہے، ان پیشگوئیوں میں اعجاز کے دو پہلو جمع ہیں، ایک ان (بظاہر) ناموافق حالات میں ان بعید از قیاس اور اہم واقعات کا محض علم و اطلاع دوسرے اس اطلاع کے عین مطابق ان کا ظہور و وقوع۔

ان سب پیش گوئیوں میں سب سے زیادہ صاف و صریح اور مجیر العقول پیشین گوئی غلبۂ روم کی پیشین گوئی ہے، یہ پیشین گوئی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

الٓمٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ڛ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝	اہل روم مغلوب ہو گئے نزدیک کے ملک میں، اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہو جائیں گے (یعنی) چند ہی سال میں پہلے بھی اور پیچھے بھی، خدا ہی کا حکم ہے، اور اس روز مومن خوش ہو جائیں گے (یعنی) خدا کی مدد سے، وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے وہ غالب (اور) مہربان ہے (یہ) خدا کا وعدہ (ہے) خدا اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، یہ تو دنیا کی ظاہری زندگی ہی کو جانتے ہیں، اور آخرت کی طرف سے غافل ہیں۔

(الروم۔ ع۔ ۱)

اس پیشین گوئی کا اسلوب اور سیاق و سباق بتاتا ہے کہ اسکو قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ اور ان دونوں

کی صداقت کے ایک ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اور یہ بالکل غیر معمولی اور غیر عادی واقعہ ہے، اس لئے کہ رومیوں کا یہ غلبہ ان کی انتہائی مغلوبیت کے بعد ہوا ہے، اس لئے آیت کی ابتدا میں دو جگہ ان کی مغلوبیت کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس واقعہ کی غرابت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ واقعہ نو سال کے اندر اندر پیش آئے گا جو ایک برباد شدہ سلطنت، اور ایک زوال پذیر قوم کے ابھرنے اور فاتح کو مفتوح بنا لینے کے لئے ناکافی مدت ہے، آیات کے دوسرے حصہ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ یہ واقعہ خارق عادت طریقہ پر ظاہری آثار و قرائن کے بالکل خلاف، اور عام انسانی قیاسات و توقعات کے برعکس ظہور پذیر ہوگا، چنانچہ پہلے فرمایا، ــــــــــــ

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ، پہلے بھی اور پیچھے بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔

جس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے، کہ اللہ کو ہر وقت اختیار ہے، اس کو غالب کو مغلوب، اور مغلوب کو غالب، مردہ کو زندہ اور زندہ کو مردہ کرتے کچھ دیر نہیں لگتی، اس کے لئے کسی وقت کی کوئی قید اور سازگار حالات کا انتظار نہیں، وہ دن رات ایسے تصرفات کیا کرتا ہے: ــــــــــــ

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ کہو کہ (اے) خدا (اے) بادشاہی

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○

(آل عمران۔ ۴-۳)

کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے، اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے، اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے (اور) بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے، تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے، اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق بخشتا ہے۔

پھر آگے چل کر فرمایا کہ یہ واقعہ محض خدا کی مدد کا نتیجہ ہوگا، اور مسلمان ایرانیوں کے مقابلہ میں رومیوں سے قریب تر ہونے اور کفار کے طنز و تعریض کی وجہ سے اسی درجہ بلکہ اس سے زیادہ مسرور ہوں گے جتنے رومیوں کی شکست سے وہ محزون ہوئے۔

وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ بِنَصْرِ اللّٰهِ

اور اس روز مومن خوش ہو جائیں گے یعنی خدا کی مدد سے۔

ممکن ہے کہ اس سے خود مسلمانوں کی اس عظیم الشان اور فیصلہ کن فتح کی طرف اشارہ ہو، جو بدر کے میدان میں ٹھیک اسی دن پیش آئی جس دن رومی ایرانیوں پر غالب ہوئے[1]

اس پر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رومی عیسائیوں کی مدد کیوں کرے گا، فرمایا،

يَنۡصُرُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ — جس کی وہ چاہے مدد کرے۔

اور اپنی ان صفتوں کا ذکر کیا، جن کا اس محیر العقول واقعہ سے خاص تعلق ہے اور اس کے امکان و ظہور کے لئے ایک دلیل کے طور پر ہیں۔

وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ۙ — اور وہ غالب اور مہربان ہے۔

اس واقعہ کے وقوع میں ان دونوں صفتوں کا ظہور ہوا، ایرانیوں کے لئے جو اپنی فتح کے نشہ میں سرشار تھے، عزت و غلبۂ خداوندی کا اور رومیوں کے لئے جن کا جسم اور قلب زخموں سے چور چور تھا، اور ان کی سلطنت عالم سکرات میں موت کی سسکیاں لے رہی تھی، ان کے پچاس ہزار آدمی قید، اور ان کی قوم طرح طرح سے ذلیل کی جا رہی تھی، رحمتِ الٰہی کا ظہور تھا پھر ان مسلمانوں کے لئے جن کو ایرانیوں کے مقابلہ میں رومیوں

---

[1] ابن کثیر بروایت ابن عباسؓ

کی شکست سے طبعی طور پر رنج پہونچا تھا، شادمانی کا پیام تھا، اور خود ان کے آئندہ غلبہ کی پیشین گوئی اور اس کا اشارہ تھا، پھر اس کی مزید تاکید فرمائی کہ اس میں تخلف نہیں ہو سکتا۔

لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (روم۔۳۰) اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا

پھر آخری طور پر بتا دیا کہ یہ واقعہ انسان کی ظاہری معلومات اور روزمرہ کے تجربات کے خلاف پیش آئے گا، اس لئے بہت سے لوگ اس کے وقوع سے پہلے اس کی تصدیق کرنے سے عاجز ہوں گے، اور اپنے ظاہری علم سے اس کا قیاس نہ کر سکیں گے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ	لیکن اکثر لوگ
لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (النمل ۳۸)	نہیں جانتے۔
یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ	یہ تو دنیا کی ظاہری زندگی ہی کو
الدُّنْیَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ	جانتے ہیں، اور آخرت کی طرف
هُمْ غٰفِلُوْنَ ○ (یونس ۹۲)	سے غافل ہیں۔

تاریخی پس منظر

اب ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ وہ کیا ناموافق اور تاریک حالات تھے جن میں رومیوں کا غلبہ ایسا مستبعد اور بعید از قیاس سمجھا گیا کہ قرآن نے اس کو اس اہمیت کے ساتھ بیان کیا اور اس کو قدرتِ خداوندی اور صداقتِ قرآنی کے ایک

نشان کے طور پر پیش کیا؟ ایک غلام قوم کا آزاد ہو جانا، ایک دبی ہوئی قوم کا ابھر آنا، اور ایک سلطنت کا دوسری سلطنت کو زیر کر لینا تاریخ کا کوئی نادر اور مستثنیٰ واقعہ نہیں ہے، لیکن قرآن نے اس واقعہ کو ایک غیر معمولی واقعہ کے طور پر بیان کیا ہے۔

اس لئے ہمیں سب سے پہلے اس ماحول کو دیکھنا ہے جس میں اس واقعہ نے ایک معجزہ کی حیثیت اختیار کر لی کیا واقعی رومی اتنے مغلوب، درماندہ اور نیم جان ہو رہے تھے اور ایرانیوں نے اتنی عظیم الشان فتح حاصل کر لی تھی اور رومی علاقوں اور صوبوں میں اتنی مستحکم سلطنت قائم کر لی تھی کہ نو برس کے عرصہ میں پانسہ کا پلٹ جانا، مفتوح کا فاتح بن جانا ایک نہایت غیر معمولی واقعہ تھا، واقعہ کے ظہور میں خدا کی قدرت کا ہاتھ کام کر رہا تھا، کیا اس کی کوئی عقلی توجیہ نہیں ہو سکتی؟ اس سوال کا جواب ہم یورپین مؤرخین کے بیان سے دیں گے، اس بیان میں ہمارا بڑا ماخذ مشہور انگریز مؤرخ و ادیب ایڈورڈ گبن (EDWARD GIBBON) کی تاریخ "زوالِ روما" (DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE) ہے۔

ایرانی حملہ کے اسباب

خسرو[1] نے (جو نوشیرواں کا پوتا اور ہرمز کا بیٹا تھا) بہرام (گور)

---

[1] عربی تاریخوں میں کسریٰ ابرویز اور انگریزی تاریخوں میں CHOSROES II

سے بھاگ کر جو ہرمز کو اتار کر ساسانی تخت پر قابض ہو گیا تھا، روم میں پناہ لی[1] یہ شہنشاہ مارس[2] (MAURICE) کی حکومت کا زمانہ تھا اس نے ایرانی شہزادہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور شاہانہ اکرام سے پیش آیا اور اپنا بیٹا بنا لیا،[3] اور مشہور رومی جنرل نارسز (NARSES) کی ماتحتی میں ایک فوج بھیجی جس نے خود ایرانیوں کی مدد سے ۵۹۰ء میں خسرو کو اس کے آبائی تخت سلطنت پر بٹھا دیا، خسرو مارس کے اس احسان کا ممنون رہا اور اس کو اپنا محسن باپ سمجھتا رہا، شہنشاہ مارس کی زندگی تک ایرانی اور رومی سلطنتوں میں دوستانہ تعلقات رہے اور اس احسان کی وجہ سے رومی سلطنت کو سیاسی اور مادی فوائد حاصل ہوئے

۶۰۲ء میں فاکس (PHOCAS) نامی ایک فوجی سردار نے شہنشاہ کے خلاف بغاوت کی اور اس کو اور اس کے خاندان کو نہایت سنگ دلی اور بیدردی سے قتل کر کے قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھا۔ بازنطینی اور ایرانی سلطنتوں کے دوستانہ تعلقات اور مراسم کے مطابق نئے رومی بادشاہ نے شہنشاہ ایران کو اپنی تخت نشینی کی اطلاع کی، اور خسرو کے دربار میں اپنا سفیر لیلیس (LILIUS) نامی کو

---

[1] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو عربی اور فارسی تاریخیں

[2] عربی کتابوں میں موریقس، اور انگریزی میں (MAURICE)

[3] مسعودی وغیرہ کے بیان کے مطابق اس کے ساتھ اپنی بیٹی ماریہ کی شادی کر دی

بنا کر بھیجا، یہ وہ شخص تھا جس نے شہنشاہ ایران کے محسن ماریس اور اس کی اولاد کے سر فاکس کے سامنے پیش کیے تھے، جب یہ رومی سفیر شہنشاہ ایران کے دربار میں حاضر ہوا اور خسرو کو واقعہ کی تفصیلات معلوم ہوئیں تو وہ سخت برافروختہ ہوا، سفیر کو قید کردیا، اور نئی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا، اور اعلان کیا کہ وہ اپنے "باپ" اور محسن کا انتقام لے گا، اس شریفانہ جذبۂ انتقام کو ماگیون اور صوبہ جات کے ایرانی گورنروں کے مذہبی اور قومی تعصبات نے اور مشتعل کیا، اور خسرو نے ۶۰۳ء[1] میں روم پر حملہ کردیا۔

ایرانی فتوحات کی وسعت

فاکس نے نارسز (NARSES) اعلیٰ رومی جنرل کو قسطنطنیہ کے بازار میں زندہ جلا دیا تھا، رومی سلطنت میں اس وقت اس سے بہتر فوجی قائد موجود نہیں تھا، اس کے نام سے اسیریا کی مائیں اپنے بچوں کو ڈراتی تھیں، اس کے قتل کے بعد رومی فوجیں ہاتھیوں کے پاؤں سے روندی گئیں، خسرو نے رومیوں کی سرحدی قلعہ بندیوں کو پہلے ہی مسمار کردیا تھا، اس نے دریائے فرات عبور کرکے شام کے شہروں پر قبضہ کرلیا، ہیروپلس HIERAPOLIS، چالسس (CHALEIS) اور حلب

---

[1] بعثت نبوی سے سات سال قبل۔

(شام کے شہر) پر قبضہ کرتے ہوئے اس نے بازنطینی سلطنت کا مشرقی دارالسلطنت انطاکیہ فتح کرلیا۔

ایرانی فتوحات کا یہ تیز سیلاب رومی سلطنت کے زوال وانحطاط اور فاکس کی ناقابلیت کی دلیل تھی، ایرانیوں نے اس کے بعد کیپے ڈوشیا[۱] (CAPPADOCIA) کا دارالسلطنت قیساریہ باآسانی فتح کرلیا، اس کے بعد دمشق، الخلیل، شرق اردن کی فتح کے بعد یروشلم پر قبضہ ہوا، "مدفن مسیح" (عیسائی عقیدہ کے مطابق) ہیلینا اور قسطنطین کے شاندار کلیسا نذر آتش ہوئے، تین سو برس کی مذہبی نذریں ایک دن میں وقف عام ہوئیں، "اصلی صلیب" (TRUE CROSS) ایران کو منتقل ہوگئی، اور نوے ہزار مسیحیوں کا قتل عمل میں آیا۔

شام کے بعد مصر پر ایرانی قبضہ ہوا، اور حبش اور طرابلس (الغرب) تک ایرانی مملکت کی سرحدیں پہونچ گئیں، رومی نوآبادیاں اور افریقہ کے مقبوضات بھی ایرانیوں کے ہاتھ آئے، ایرانی فاتح سکندر کے نقش قدم پر صحرائے لیبیا کے راستہ واپس آیا، ایرانی فوج کے ایک حصہ نے فرات سے باسفورس (BASPHORUS) اور چالیسڈن[۲] (Chalcedon)

---

[۱] ایشیائے کوچک کا ۲۵۰ میل لمبا اور کچھ کم ۱۵۰ میل چوڑا مرتفع علاقہ جسکے مشرق میں کوہ تارس (Mt. TAURUS) کا پہاڑی سلسلہ اور دریائے فرات، مغرب میں گلیشیا اور لائے کونیا، شمال میں پانڈمین اور جنوب میں کوہ تارس کا سلسلہ ہے (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)۔

[۲] دریائے فرات اور ساجر کے سنگم سے ۱۶ میل جنوب مغرب اس شاہراہ پر واقع تھا جو شمالی سیریا؛ درمیسوپوٹمیا کو ملاتی تھی۔
(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)

تک قبضہ کرلیا، اور قسطنطنیہ کے بالکل سامنے دس برس تک ایرانی کیمپ نصب رہا، اگر خسرو کے پاس بحری طاقت ہوتی تو وہ یورپ کے صوبوں کو اپنی حکومت میں لے سکتا تھا۔

ہرقل کی تخت نشینی

عین جس وقت رومی سلطنت زندگی اور موت کی اس کش مکش میں مُبتلا تھی، افریقہ کے گورنر ہرقل (HERACLIUS) نے فاکس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اور سنہ ۶۱۰ء[1] میں فاکس کو قتل کر کے گرتی ہوئی سلطنت رومہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی، حکومت سنبھالتے ہی پہلی اطلاع جو ملی وہ انطاکیہ کا سقوط تھا۔

فاکس کے قتل سے خسرو کی آتش انتقام بُجھ جانی چاہئے تھی، اور اس کو ہرقل کا ممنون ہونا چاہئے تھا، جس نے اس کے محسن کے قاتل اور سلطنت کے غاصب کو قتل کر دیا تھا، مگر ایرانی شہنشاہ کی نیت بدل چکی تھی، اس نے اپنی جارحانہ کارروائیاں جاری رکھیں اور اپنی فتوحات کے سلسلہ کی تکمیل کی۔

رومیوں کی مشکلات

سنہ ۶۱۶ء میں رومی پورے طور پر مغلوب ہو گئے، اور انھوں نے

---

[1] سنہ ۴۰ نبوت (سال بعثت نبویؐ)

اپنی عظیم الشان سلطنت روما ایرانیوں کے ہاتھ کھودی، ان مشرقی نقصانات کے علاوہ جو ایرانیوں کے ہاتھوں اس کو پہونچے تھے، پورے یورپ میں غدر مچا ہوا تھا، آسٹریا کی سرحد سے تدرس کی دیواروں تک آوارس (AUARS) مظالم ڈھا رہے تھے، جنگ اطالیہ میں جن معصوم انسانوں کا خون پانی کی طرح بہا تھا وہ بھی ابھی خشک نہیں ہوا تھا، اور اس سے پہلے پنسونیا (PANSONIA) کے مقدس میدان میں مرد قیدیوں کو قتل کر دیا گیا، عورتیں اور بچے غلام بنائے گئے، رومی سلطنت قسطنطنیہ کی دیواروں، یونان اور اٹلی اور افریقہ کے کچھ بقیہ حصوں اور ایشیائی ساحل کے چند بحری مقامات میں صور (TYRE) سے طرابزون (TREBIZOND) تک محدود ہو کر رہ گئی تھی، مصر کے سقوط کے بعد سے دارالسلطنت پر قحط اور وبائی امراض کا حملہ ہوا، قسطنطنیہ میں مصر سے غلہ آتا تھا، مصر کے نکل جانے کے بعد غلہ کی درآمد بند ہو گئی، قسطنطین کے زمانہ ۳۰۳ء سے قسطنطنیہ میں غلہ کی عام تقسیم ہوتی تھی، تاکہ لوگوں کے لئے دارالسلطنت میں رہنے کی کشش پیدا ہو، ۶۱۸ء میں پہلی مرتبہ غلہ کی بندش کی وجہ سے مجبوراً اس تقسیم کو بند کرنا پڑا۔

ہرقل کا طرزِ عمل

ہرقل کے سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ ہرقل میں

ان اہم حوادث کے باوجود کوئی جوشِ عمل، اور کوئی زندگی نہیں تھی، اور وہ اپنی آنکھوں سے دولتِ روما کے اس خاتمہ کو دیکھ رہا تھا گبن لکھتا ہے کہ:

"ہرقل اپنی حکومت کے ابتدائی اور آخری دَور میں نہایت سُست، کاہل، عیش کا بندہ، وہم پرست اور اپنی قوم کے مصائب کا ایک بے حمیت اور نامرد تماشائی تھا"۔

قرآن کی پیشین گوئی

سنہ ۶۱۶ء میں رومۃ الکبریٰ کے عین اس حالت نزع میں قرآن نے پیشین گوئی کی، کہ رومی نو سال کے اندر اندر غالب ہو جائیں گے، گبن لکھتا ہے:

"محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایرانی فتوحات کے عین شباب میں پیشین گوئی کی کہ چند سال کے اندر اندر رومی جھنڈے دوبارہ فتح کے ساتھ بلند ہوں گے۔ جب یہ پیشین گوئی کی گئی تھی، اس سے زیادہ بعید از قیاس کوئی بات نہیں کہی جا سکتی تھی، کیونکہ ہرقل کے ابتدائی بارہ سال سلطنت روما کی قریبی تباہی اور خاتمہ کا اعلان کر رہے تھے"۔ [۱]

---

[۱] تاریخ زوال روما ج ۲، ص ۳۰۳ (مطبوعہ سنہ ۱۸۹۰ء)

یہ ۵ بعثت کا واقعہ ہے، مکّہ کے کفار ایرانیوں کی اس عظیم الشان فتح اور رومیوں کی اس ذلّت انگیز شکست پر مسرّت کے شادیانے بجا رہے تھے، اور ایرانیوں کی فتح کو اپنے دوستوں کی فتح اور اپنے لئے فال نیک سمجھتے تھے، کیونکہ ان دونوں قوموں میں شرک کا رشتہ تھا، جب سورۂ رُوم کی یہ ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں اور کفارِ مکّہ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے اس کو بالکل مستبعد واقعہ سمجھ کر مسلمانوں کے ساتھ شرط کی کہ اگر رومی واقعی غالب آ گئے، تو وہ مسلمانوں کو کئی اُونٹ دیں گے، اور اگر اس واقعہ کا ظہور نہ ہوا تو مسلمان اونٹ ہار جائیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو شرط میں شریک تھے، اس کے لئے پانچ سال کی مدّت مقرر کی، آنحضرت صلعم کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا "بضع" کا لفظ تین سے نو تک بولا جاتا ہے، اس لئے دس سال سے کم کی مدّت مقرر کرنی چاہئے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے نو سال کی شرط کی۔[1]

پیشین گوئی کا ظہور

ان دقّتوں اور مصیبتوں میں گھر کر (جن کا اُوپر ذکر آچکا ہے) ہرقل نے ارادہ کیا کہ وہ قسطنطنیہ کو چھوڑ کر قرطاجنہ[2] (CARTHAGE)

---

[1] ترمذی کتاب التفسیر۔ [2] یہ شہر جو قرطاجنہ کے نام سے عربی تاریخوں میں یاد کیا جاتا ہے موجودہ تیونس کے قریب آباد تھا۔

کے محفوظ مقام میں منتقل ہو جائے، اور اس کو اپنا مرکز بنائے،
اس کے جہاز شاہی محل کی دولتوں اور جواہرات سے
لدے ہوئے روانہ ہونے کے لئے تیار کھڑے تھے، کہ اس کو بطریق
نے لڑنے پر مجبور کیا اور ہمّت دلائی۔ وہ سینٹ صوفیا (St. SOPHIA)
میں آیا اور اس نے قسم کھائی کہ اس کی زندگی اور موت انھیں
لوگوں کے ساتھ ہے، جن کو خدا نے اس کے سپرد کیا ہے۔

رومی شہنشاہ کی مغلوبیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ
اس نے ایک ایرانی قائد، اور چند ذمہ دار رومی عہدہ داروں کے
ذریعہ شاہ ایران کی خدمت میں معافی اور امن کی درخواست بھیجی،
بادشاہ نے کہا کہ یہ کوئی سفارت نہیں ہے، بلکہ درحقیقت یہ خود ہرقل
ہے جو پابجولاں میرے تخت کے سامنے حاضر ہوا ہے، میں
اس وقت تک رومی شہنشاہ کو امن نہیں دے سکتا جب تک وہ
اپنے "مصلوب خدا" کو چھوڑ کر سورج کی پرستش اختیار نہ کرلے۔

لیکن چھ سال کے تجربہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے
قسطنطنیہ کی فتح سے ہاتھ اٹھالیا، اور ان شرائط پر رومیوں کو امان
دی کہ ہر سال ایک ہزار سونے کے ٹالنٹ (TALENTS) ایک ہزار
چاندی کے، ایک ہزار ریشمی حلّے، ایک ہزار گھوڑے، اور ایک
ہزار دوشیزہ عورتیں شاہ ایران کو خراج کے طور پر دی جائیں، یہ
شرائط رومیوں میں اشتعال انگیزی اور غیرت وحمیت پیدا کرنے

کے لئے ہرقل کو بہت مفید ثابت ہوئے، ہرقل نے ایک مذہبی جنگ (SACRED WAR) کا اعلان کر دیا، جنگی مصارف کے لئے اس نے کلیساؤں کی موقوفہ جائدادوں اور آمدنیوں سے اس شرط پر قرض لیا کہ وہ مع سُود کے یہ سب رقم واپس کر دے گا۔

ہرقل میں تبدیلی

ہرقل کی افسردہ طبیعت، پست عزائم اور مُردہ جسم میں ایک نئی رُوح پیدا ہو گئی، اور اس کی زندگی سراسر تبدیل ہو گئی، اب وہ سُست اور عیاش بادشاہ نہ تھا، بلکہ جوان ہمت، بیدار مغز بلند حوصلہ، فاتح اور پرجوش سپہ سالار تھا، جو اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ حاصل کرنے اور اپنی مردہ قوم کو زندہ کرنے کے لئے بے چین تھا، مورخ گبن لکھتا ہے:——

"جس طرح صبح و شام کا کہرا آفتاب نصف النہار کی روشنی سے پھٹ جاتا ہے، دفعتاً محلوں کا آرکاڈیوس میدان کا سیزر بن گیا —— ہرقل اور روم کی عزت نہایت شاندار طریقہ سے بچالی گئی۔"[1]

---

[1] تاریخ زوال روما جلد ۴ ص ۹۶ (لندن ۱۹۰۸ء)

ہرقل کی فوج کشی اور فتوحات

ہرقل نے ایشیائے کوچک کے مغربی اور جنوبی ساحل کو اپنے بائیں طرف چھوڑتے ہوئے خلیج اسکندرونہ میں اپنی فوجیں اتاریں، بحری شہروں کے قلعوں کی مرمت کی، نئے رنگ روٹوں کی فوجی تربیت کی، حضرت مسیح کی معجزانہ شبیہ کی نقاب کشائی کرتے ہوئے اس نے رومیوں سے آتش پرستوں سے انتقام لینے کی اپیل کی، ایک موثر تقریر کرکے انتقام و عداوت کی روح پھونک دی، سلیشیا (CILICIA) فتح کرنے کے بعد ہرقل نے کیپے ڈوشیا (CAPPADOCIA) کا رخ کیا، بحر اسود اور آرمینیا کے پہاڑوں کو عبور کرکے ہرقل ایران کے قلب میں گھس گیا۔ پانچ ہزار منتخب سپاہیوں کے ساتھ قسطنطنیہ سے چل کر طرابزون پہونچا، شہر طورس اور گندزا کا اور موگان کے علاقے فتح کرلئے، عیسائیوں نے آگ کے معبد ڈھا دیئے، خسرو کی مورتیں حوالۂ آتش کی گئیں، "مدفن مسیح" کے مقابلہ میں زراشتر کا مولد بے حرمت کیا گیا، اور پچاس ہزار عیسائی قیدی چھڑائے گئے، ہرقل ساباط میں داخل ہوا، پھر قزوین اور اصفہان کے شہروں تک آیا، ایرانی سلطنت خطرہ میں پڑ گئی۔ ایرانی فوجیں وادی نیل اور باسفورس سے طلب کی گئیں، ہرقل نے اس لشکرِ جرّار کو بھی شکست دی۔

کردستان کے پہاڑوں کو طے کرنے کے بعد اس نے دجلہ کو عبور کیا اور ایک خونیں جنگ کے بعد ساباط میں آیا، نینوا کے میدان میں فیصلہ کن جنگ ہوئی، جس کے بعد وہ دستجرد میں داخل ہوا، اور مدائن سے چند میل کے فاصلے پر پہونچ کر وہ فاتحانہ قسطنطنیہ واپس آیا۔

پیشین گوئی کی تکمیل

ایرانی سلطنت زیروزبر ہوگئی، رومیوں نے اپنے قدیم تاریخی حدود سے بھی آگے نکل کر ایرانیوں کو پامال کیا اور سلطنت ایران کے قلب میں رومی جھنڈا نصب کردیا۔ اور اس طرح ۶۲۵ء میں یعنی ہجرت کے دوسرے سال غزوہ بدر کے موقع پر ٹھیک نو برس کے اندر قرآن مجید کی یہ عظیم الشان پیشین گوئی پوری ہوئی، جس کی تکمیل کے کوئی ظاہری آثار و قرائن نہ تھے۔

ہرقل کی دوبارہ افسردگی

یورپ کے مؤرخ اور مصنف اس بات پر متفق ہیں کہ ہرقل کا بہترین اور سب سے شاندار دور وہی ہے جس میں اس نے ایرانیوں سے مقابلہ کیا اور روما کی کھوئی ہوئی سلطنت واپس لی۔ ہرقل کے ابتدائی اور آخری دور کو اس درمیانی دور سے

کچھ مناسبت نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے اس کو صرف اسی کام کے لئے زندہ اور بیدار کیا تھا، اس مہم کی تکمیل کے بعد وہ پھر پہلے کی طرح عیاش اور سست قیصر بن گیا۔ گبن کے بقول اس نے وہ صوبے جو بڑی قربانیوں اور خونریزیوں کے بعد ایرانیوں کے ہاتھوں سے واپس لئے تھے، اپنی آنکھوں کے سامنے عربوں کے حوالہ کر دیئے۔

مؤرخ حیران ہیں کہ اس عجیب و غریب تبدیلی اور درمیان کی بیداری اور اہلیت، اور آغاز و اختتام کی اس غفلت و نااہلیت کی کیا تاویل کریں۔ انھوں نے واقعات کے اس عدم تناسب اور مختلف دوروں کے اس عجیب تعارض کی مختلف تاویلیں کرنے کی کوشش کی ہے، گبن لکھتا ہے:۔

"یہ بازنطینی مورخوں کا فرض تھا کہ ہرقل کی اس نیند اور بیداری کے اسباب بیان کریں، اتنے زمانے کے فاصلہ سے ہم صرف یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ اس کو شخصی جرأت کا حصہ سیاسی عزم سے زیادہ ملا تھا، اور یہ کہ وہ اپنی بھتیجی مارٹینیا کے فسوں انگیز جمال سے مسحور ہو رہا تھا جس سے اس نے ناجائز طور پر شادی کر لی تھی، اور یہ کہ اس نے اپنے مشیروں کے اس احمقانہ مشورہ پر عمل کیا تھا کہ ایک بادشاہ کی زندگی میدان جنگ میں صرف نہیں ہونا چاہیے، غالباً وہ ایرانی فاتح کے اہانت آمیز مطالبات سے

مشتغل ہوگیا تھا۔"[1]

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے :۔

"ہرقل کا کیرکٹر ایک عجیب و غریب پہیلی ہے، جس کا بوجھنا آسان نہیں، شخصی طور پر بہادر، سیاسی حیثیت سے تجربہ کار اور لائق سپہ سالار ہوتے کے باوجود وہ نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ اپنی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھتا رہا، اپنی زندگی کے مختلف دوروں میں اس کی حیثیتیں اور قابلیتیں نہ صرف ایک دوسرے سے مختلف بلکہ متضاد نظر آتی ہیں۔

لیکن ہم کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اس کی خانگی زندگی کے متعلق ہماری معلومات بہت ناقص ہیں، ممکن ہے کہ اس تضاد کا کوئی اور حقیقی سبب ہو، اگرچہ اس کے عمل کے لئے وہ صحیح عذر قرار نہیں دیا جا سکتا، اس کی شہرت کی بقا کے لئے یہ بہتر ہوتا کہ وہ ایرانی مقابلہ کے فوراً بعد مرجاتا۔"[2]

ان تمام بیانات میں یورپین مورخین نے صاف طور پر تسلیم کیا ہے کہ ایرانی مقابلہ کے وقت ہرقل میں عارضی طور پر عجیب و غریب انقلاب ہوگیا تھا، اور ایسی روح پیدا ہوگئی تھی جو اسکے

---

[1] تاریخ زوال روم جلد ۵ صفحہ ۶۰-۶۱ [2] انسائکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۱ صفحہ ۲۸۲ (اشاعت نہم)

بعد اس میں نہیں رہی، اور جو کچھ اس نے ایرانیوں سے حاصل کیا تھا اپنی غفلت اور کاہلی سے عربوں کے ہاتھ کھو دیا۔

لیکن اس آخری چیز کی ہمارے نزدیک کوئی مسلم حیثیت نہیں ہمیں اس میں کلام ہے کہ ہرقل نے اسلامی حملوں کا پورے طور پر مقابلہ نہیں کیا اور رومیوں کی شکست میں اسلام کی طاقت، اور مسلمانوں کے کیرکٹر سے زیادہ ہرقل کی غفلت و نااہلی یا رُومی سلطنت کے ضعف کو دخل تھا، لیکن اس حصّہ پر بحث کرنا اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

قرآن کی چند دوسری پیشین گوئیاں

غلبۂ روم کی پیشین گوئی کے علاوہ جس کو ہم نے قدرے تفصیل اور تشریح کے لئے انتخاب کیا، قرآن میں دوسری متعدد پیشین گوئیاں ہیں، اس وقت ان کا استقصا کرنا مقصود نہیں ہے، مثال کے طور پر چند اہم پیشین گوئیاں پیش کی جاتی ہیں۔ نزول قرآن کے بعد کی تاریخ میں ان کی شرح دیکھی جا سکتی ہے۔

(۱) موحد اور مطیع مسلمانوں کی حکومت کی پیشین گوئی :۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	جو لوگ تم میں سے ایمان لائے
مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	اور نیک کام کرتے رہے، ان سے
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ	خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ	بنا دے گا، جیسا ان سے پہلے لوگوں
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ	کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے
دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ	اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے

وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ (النور ع ۷)

مستحکم پائیدار کرے گا، اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا، وہ میری عبادت کریں گے (اور) میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔

(۲) مہاجرین کے اقتدار، اور اس اقتدار کے دینی و اخلاقی نتائج کی پیشین گوئی:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن

جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے (کہ وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے، اور خدا (ان کی مدد کرے گا) یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے (انھوں نے کچھ قصور نہیں کیا تھا) ہاں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار خدا ہے، اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو (راہبوں کے) صومعے اور (عیسائیوں

یَّنْصُرُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ○	کے) عبادت خانے، اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں خدا کا بہت سا ذکر کیا جاتا ہے، ویران ہو چکی ہوتیں، اور جو شخص خدا کی مدد کرتا ہے خدا اسکی ضرور مدد کرتا ہے. بیشک خدا توانا و غالب ہے.
الحج ۵-۶	
اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ○	یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں، تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں، اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے
الحج ع-۶	

(۳) نئے اور اہل مُسلمانوں کی آمد اور خدمت کی پیشین گوئی:۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗۤ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ	اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو خدا ایسے لوگ پیدا کر دیگا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں، خدا کی راہ میں جہاد کریں

لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ
(سورۃ المائدۃ ع ۸)

اور کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈریں۔

(۴) مرتدین عرب اور روم و ایران سے جنگ کی پیشین گوئی:

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝
(سورۃ الفتح ۔ ع ۔ ۲)

جو گنوار پیچھے رہ گئے تھے ان سے کہہ دو کہ تم ایک سخت جنگجو قوم کے (ساتھ لڑائی کے) لئے بلائے جاؤ گے ان سے تم (یا تو) جنگ کرتے رہو گے یا وہ اسلام لے آئیں گے، اگر تم حکم مانو گے تو خدا تم کو اچھا بدلہ دے گا اور اگر منہ پھیر لو گے جیسے پہلی دفعہ پھیرا تھا تو وہ تم کو بری تکلیف کی سزا دے گا۔

(۵) دین کے غلبہ کی پیشین گوئی:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝
(التوبۃ ۔ ع ۔ ۵)

یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں، اور خدا اپنے نور کو پورا کئے بغیر رہنے کا نہیں، اگرچہ کافروں کو برا ہی لگے۔

هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو

بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝
(التوبۃ ، ع ۵)

ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝
(الصف ۔ ع ۔ ۱)

یہ چاہتے ہیں کہ خدا (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں، حالانکہ خدا اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا، خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

(۶) قرآن کی حفاظت کی پیشین گوئی:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا[لہ] الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝
الحجر ع ۔ ۱

بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

(۷) قرآن کی جمع واشاعت اور تشریح کی پیشین گوئی:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا

(اے محمدؐ) وحی کے پڑھنے کے لئے اپنی زبان نہ چلایا کرو، کہ اس کو جلد یاد کرو، اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے

لہ آیت کی تفسیر کے لئے ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء ج ۱، ص ۲۹ و ۳۰

قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۚ

(سورۃ القیامۃ ع-١)

ذمہ ہے، جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم (اسکو سنا کرو اور) پھر اسی طرح پڑھا کرو پھر اس (کے معانی) کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ اس آیت کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں:—

ان علینا جمعہ آنست کہ لازم است وعدہ جمع کردن قرآن بر ما در مصاحف وقرآنہ یعنی توفیق دہیم قراء امت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و عوام ایشاں را بر تلاوت آں تا سلسلہ تواتر از ہم گسستہ نشود، خدائے تعالیٰ می فرمایند کہ در فکر آں مباش کہ قرآن از دل تو فراموش شود و مشقت تکرار آں مکش یکے از خرق عوائد است کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صعوبت تکرار کہ جمہور مسلمین در حفظ قرآن می کشند نمی کشیدند و بمجرد تبلیغ جبرئیل بخاطر مبارک متمکن می شد چہ جائے ایں فکر کہ ما

ان علینا جمعہ کے معنی یہ ہیں کہ مصاحف میں قرآن کو جمع کرنے کا وعدہ ہم پر لازم ہے اور قرآنہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی امت کے قاریوں اور عام لوگوں کو اس کی تلاوت کی توفیق دیا جائے گی تاکہ سلسلہ تواتر ٹوٹنے نہ پائے اور خدائے تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ اس کی فکر نہ کریں کہ قرآن آپ کے دل سے فراموش ہو جائے گا، اسلئے اس کے رٹنے کی مشقت بھی نہ اٹھائیے یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ آنحضرتؐ کو قرآن کے رٹنے کی مشقت نہیں اٹھانی پڑی جو عام مسلمانوں کو اٹھانی

برخود لازم گردانیده ایم آنچه ... به مراتب از تبلیغ تو متاخر است و آں جمع تیسرآں است در مصاحف و خواندن است آنرا چه خواص وچه عوام پس خاطر خود را مشغولِ مشقتِ حفظ آں مگردان بلکہ چوں ما بر زبان جبرئیل تلاوت کنیم در پئے استماع آں باش باز بر ماست توضیح قرآں در ہر عصرے جمع را موفق بشرحِ غریب قرآں و بیان سبب نزول آں فرمائیم تا ما صدقِ حکم آں بیان کنند و ایں ہمہ بمراتب متاخر است از حفظ تو و تبلیغ تو آنرا چوں آیات قرآں متشابہ اند بعض آں مصدق بعض ست و آنحضرت صلعم مبین قرآن عظیم است حفظ قرآں کہ موعود حق است

پڑتی ہے صرف تلاوت جبرئیل کے ذریعہ ہی قرآن خاطر مبارک میں متمکن ہو جاتا تھا. کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تھا کہ ہم نے اپنے اوپر اس چیز کو لازم کرلیا ہے جو آپ کی تبلیغ سے بہت بعد کی چیز ہے یعنی قرآن کا مصاحف میں جمع ہونا اور اُمت کے عوام و خواص کا اسے پڑھنا۔

پس اپنے دل کو اس کے حفظ کی مشقت میں نہ لگایئے بلکہ جب ہم جبرئیل کی زبان سے تلاوت کریں تو آپ اسے غور سے سننے کا اہتمام کریں۔ اسکے بعد قرآن کی توضیح و تشریح ہماری ذمہ داری ہے جس کے لئے ہم ہر زمانے میں ایک جماعت کو قرآن کے مشکل الفاظ کی شرح اور سبب نزول کے بیان کی توفیق دیں گے کہ وہ حکم قرآن کا مصداق و مطلب بیان کریں اور یہ کام بھی آپ کے

بایں صورت ظاہر شد کہ جمع آں در مصاحف کنند و مسلمانان توفیق تلاوت آں شرقاً و غرباً لیلاً و نہاراً یابند و ہمیں است معنی لایغسلہ الماء باز جمع و ترآنہ یکجا ایراد فرمودن و در بیان "وعدکلمہ "ثم" کہ برائے تراخی ست ذکر نمودن می فہماند کہ در وقت جمع قرآن در مصاحف اشتغال بتلاوت آں شائع شد و تفسیر آں من بعد بظہور آمد و در خارج ہم چنیں متحقق شد[1]

حفظ و تبلیغ قرآن کے بعد کا ہے کیونکہ قرآن کی آیات ایک دوسرے کی مشابہ ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور آنحضرت صلعم قرآن عظیم کے بیان کرنے والے ہیں حفظ قرآن کا وعدہ حق اس طرح ظاہر ہوا کہ اسے لوگ مصاحف میں جمع کرتے ہیں اور مشرق و مغرب کے مسلمان شب و روز اس کی تلاوت کی توفیق پاتے ہیں۔ یہی مطلب ہے اس عبارت کا کہ جس میں کہا گیا ہے کہ اسے پانی نہ مٹا سکے گا جمع و قرآنہ کو ایک جگہ لانا اور ثم کے بعد (جو تاخیر کو ظاہر کرتا ہے) بیان کہنا یہ بتاتا ہے کہ جمع قرآن کے وقت اسکی تلاوت کا شوق بھی عام ہو گیا تھا اور اسکی تفسیر بعد میں ہوئی اور عملاً بھی ایسا ہی ہوا۔

(۸) صلح حدیبیہ کی کامیابی اور فتح مکہ کی پیشین گوئی:

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا (اے محمدؐ) ہم نے تم کو فتح دی، فتح

---

[1] ازالۃ الخفاء ۱/۵۰، ۵۱ (بریلی ۱۲۸۶ھ)

مُّبِيْنًا الخ (الفتح۔ ع۔۱) بھی صریح و صاف،

(۹) آئندہ غنائم اور فتوحات کی پیشین گوئی:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ (الفتح۔ ع۔۳)

خدا نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا کہ تم ان کو حاصل کروگے، سو اس نے غنیمت کی تمہارے لئے جلدی فرمائی۔

وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا (الفتح۔ع۔۱)

اور (غنیمتیں دیں) جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے، اور وہ خدا ہی کی قدرت میں تھیں۔

(۱۰) مسجد حرام میں دخول کی پیشین گوئی:

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ (الفتح۔ ع۔۴)

تم خدا نے چاہا تو مسجد حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کتروا کر امن و امان سے داخل ہوگے۔

(۱۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قرب اور اسلام کی اشاعت کی پیشین گوئی:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا الخ

جب اللہ کی مدد آپہونچی اور فتح (حاصل ہوگئی) اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول خدا کے دین میں

(النصر) داخل ہو رہے ہیں۔

(۱۲) آنحضرت صلعم کے دشمنوں کی ناکامی اور منقطع العقب ہونے کی پیشین گوئی:

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَالْاَبْتَرُ۝ بے شک نہیں کہ تمہارا دشمن ہی بے اولاد رہے گا۔

قرآن کا ایک معجزہ ہدایت و انقلاب ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید اور اپنے پیغمبرانہ اخلاق و سیرت کے ذریعہ (جو درحقیقت قرآن مجید کی ایک عملی تفسیر تھی)، (کان خلقہ القرآن) جو اعتقادی، ذہنی، روحانی، اخلاقی، نفسیاتی اور معاشرتی و اجتماعی انقلاب برپا کیا، اور جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہ اس سے پہلے ملتی ہے نہ اس کے بعد، قرآن کا ایک معجزہ ہے، قرآن مجید کا یہ اعجاز خود صدہا معجزات پر مشتمل ہے، اس انقلاب کے اثر میں جو افراد و جماعتیں آئیں، ان میں سے ہر ایک شخصاً اور انفراداً ایک مستقل اور منفرد معجزہ ہے، انسانوں کی تاریخ نے کسی محدود سے محدود رقبۂ زمین، اور کسی مختصر سے مختصر گروہ انسانی میں اتنے گہرے لیکن وسیع انقلاب کا مشاہدہ نہیں کیا، اس موقع پر ضرورت ہے کہ جاہلیت اور اسلام کا موازنہ کیا جائے، اس ہمہ گیر انقلاب کے مختلف گوشوں اور

پہلوؤں کو اُجاگر کیا جائے، اس طرح ہم کو تاریخ کے دُو دوروں کی عقلی، مذہبی، نفسیاتی، اخلاقی اور اجتماعی تاریخ تفصیل کے ساتھ پیش کرنی پڑے گی، جس کے لئے صرف ایک کتاب نہیں بلکہ کتابوں کے متعدد سلسلوں کی ضرورت ہوگی، قرآن میں خود اور پھر سیرت اور تاریخ کی مستند کتابوں میں جاہلیت اور اسلام کے جو متقابل واقعات پھیلے ہوئے ہیں ان کو جمع کرنے سے اس انقلاب کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے جو قرآن مجید نے برپا کیا۔

اس معجزہ میں اعجاز کا پہلو یہ ہے کہ یہ ہمہ گیر اور دور رس انقلاب ان تمام ذرائع اور وسائل کے بغیر رونما ہوا جن سے دُنیا عام طور سے آشنا ہے، اور جن سے عام طور پر انسانی معلمین و مصلحین نے اپنے اپنے زمانہ میں کام لیا ہے ــ یعنی درس و تدریس، اشاعت تعلیم یا تالیف و تصنیف، مدارس و تربیت گاہیں، مطابع اور اشاعت کے عام ذرائع، قرآن نے خود اعجاز کے اس پہلو اور غرابت کی طرف بعض اشارات کئے ہیں، ان دشمنوں میں، جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے جو بے نظیر قلبی محبّت اور برادرانہ اُلفت پیدا ہوگئی تھی اس کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ بڑی سے بڑی دولت خرچ کرنے سے بھی پیدا نہیں ہوسکتی تھی۔

هُوَ الَّذِيْ أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ   وہی تو ہے جس نے تم کو اپنی مدد سے

وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلَّفَ بَيْنَ	اور مسلمانوں (کی جمعیت) سے
قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا	تقویت بخشی اور ان کے دلوں میں
فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ	اُلفت پیدا کر دی، اگر تم دُنیا بھر
اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ	کی دولت خرچ کرتے تب بھی
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ	ان کے دلوں میں اُلفت پیدا
بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ	نہ کر سکتے، مگر خدا ہی نے ان میں
حَكِيْمٌ ○	اُلفت ڈال دی، بے شک وہ زبردست
(الانفال، آیت ۶۳)	حکمت والا ہے۔

قرآن مجید نے جا بجا اس انقلاب کی اپنی طرف نسبت کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ انقلاب قرآن مجید ہی کے ذریعہ سے ظاہر ہوا ہے، فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ	وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ	انھیں میں سے (محمدؐ) کو پیغمبر بنا کر بھیجا
اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ	جو اُنکے سامنے آیتیں پڑھتے اور
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا	ان کو پاک کرتے اور انھیں (خدا کی)
مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○	کتاب و دانائی سکھاتے ہیں، اور
(الجمعة، آیت ۲)	اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے

دوسری جگہ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى	وہی تو ہے جو اپنے بندہ پر

عَبْدِہٖٓ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ

(الحدید۔ ع۔ ۱)

واضح (المطالب) آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے۔

الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۙ۬

(ابراھیم۔ ع۔ ۱)

یہ ایک (پُرنور) کتاب (ہے) اس کو تم پر اسلئے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ۔

جاہلیت اور اسلام کا ذکر قرآن مجید نے اپنے بلیغ انداز میں کیا ہے، اور عظیم الشان فرق کو بتایا ہے جو ان دُوز مانوں میں پایا جاتا ہے، فرمایا ہے:—

وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ۝

(آل عمران۔ ع۔ ۱۰)

اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں میں اُلفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہونچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچالیا، اس طرح خدا تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ	بھلا جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس
وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ	کو زندہ کیا، اور اس کے لئے روشنی
فِي النَّاسِ	کردی جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں
(الانعام۔ ع۔ ۱۵)	میں چلتا پھرتا ہے۔

حقیقت میں جاہلیت اور اسلام کی اس سے زیادہ بولتی ہوئی تصویر نہیں کھینچی جا سکتی، اور دونوں کے فرق و خصائص کو اس سے زیادہ وضاحت اور بلاغت کے ساتھ نہیں بیان نہیں کیا جا سکتا، جاہلیت اور اسلام کی پوری تاریخ انھیں دونوں آیتوں کی تفسیر اور اسی اجمال کی تفصیل ہے، جاہلیت کیا ہے کنتم اعداءً اور کنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار کا مظہر! اور اسلام کیا ہے الف بین قلوبکم کی تفسیر اور انقذکم منھا کی تصویر!۔

عہد جاہلیت میں ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ انسان کی صحیح تعریف اس سے زیادہ صحیح اور اس سے زیادہ بلیغ نہیں کی جا سکتی جو قرآن نے ادمن کان میتا سے کی ہے، اسلامی انقلاب، بلکہ مجموعہ انقلابات اور سلسلہ انقلابات کی اگر تصویر کھینچنا ہو تو اس کے لئے فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ سے زیادہ بلیغ لفظ نہیں مل سکتے۔

قرآن مجید اور قدیم آسمانی صحیفے

علم و تاریخ کی میزان میں

قرآن سے پہلے کے آسمانی صحیفے ہمیشہ تحریف و تبدیلی کا نشانہ اور تلف و تباہی کا تختۂ مشق بنتے رہے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حفظ و بقا کی کوئی ذمہ داری خود نہیں لی تھی، بلکہ اسے ان کے علماء و حاملین کے سپرد کردیا تھا، اس کے علاوہ بشریت اور ان کی مخالف امتوں کو ان کی ضرورت ایک عرصہ ہی کے لئے رہی، جیسا کہ کہا گیا:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا	بیشک ہم نے تورات نازل فرمائی
هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا	جس میں ہدایت اور روشنی ہے،
النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا	اسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے)
لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ	فرمانبردار تھے، یہودیوں کو حکم دیتے

وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ
(المائدۃ۔ آیت ۴۴)

رہے ہیں، اور مشائخ اور علماء بھی، کیونکہ وہ کتاب خدا کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے)

اور یہ تاریخی طور پر ثابت اور ایک علمی حقیقت ہے، جس کا اعتراف خود ان امتوں اور فرقوں نے کیا ہے، جن کے پاس یہ صحیفے آئے تھے، عہد عتیق کے صحیفے برابر غارت گری اور آتش زدگی کا کھلے طور پر نشانہ بنتے رہے ہیں، اور خود یہودی مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ تاریخ میں تین بار ایسے مواقع پیش آئے ہیں، پہلی دفعہ جب بخت نصر (NEBUCHADEZZAR) (۵۔۶۔۵۶۴ ق۔م) بابل کے بادشاہ نے یہودیوں پر ۵۸۶ ق۔م میں حملہ کیا، اور بیت المقدس کو آگ لگادی، جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے توریت کی تختیاں اور آل موسیٰؑ و آل ہارونؑ کے تبرکات محفوظ کر دیئے تھے، اور جو یہودی قتل سے بچ گئے انھیں وہ قید کر کے بابل لے گیا، جہاں وہ پچاس سال تک رہے، اور عذرا نبی نے پانچ پہلے صحیفوں کو، جو "تورۃ" کہلاتے ہیں، اپنے حافظہ سے دوبارہ لکھوایا اور واقعات کو تاریخی اسلوب میں لکھا، پھر نحمیا نے کتابوں کے دوسرے سلسلہ کا اضافہ کیا، اور داؤدؑ کی زبور کو بھی ملحق کیا۔

دوسری بار جب انطیوخوس چہارم (ANTIOCHUS) نے

جس کا لقب ابیفانس تھا، اور جو یونانی انطاکیہ کا بادشاہ تھا بیت المقدس پر ۱۶۸ء ق۔م میں حملہ کیا، اور صحف مقدسہ کو جلا دیا اور تورات کی تلاوت اور یہودی شعائر ورسومات کو حکماً روک دیا، یہود امقبانی نے مقدس صحیفوں کو پھر سے جمع اور مرتب کرنا شروع کیا، اور عہد عتیق میں صحیفوں کے تیسرے سلسلہ کا اضافہ کیا۔

تیسری بار ٹائیٹس TITUS (۴۰ء۔ ۸۱ء) رومن بادشاہ نے بیت المقدس پر ، ستمبر ۷۰ء کو حملہ کیا اور اس کو ہیکل سلیمانؑ سمیت برباد کرکے اس کو ویرانے اور ملبہ میں تبدیل کر دیا، اور مقدس صحیفوں پر قبضہ کر کے فتح کی یادگار کے طور پر اپنے رومی دار الحکومت لیتا گیا، اور یہود کو جلاوطن کر کے شہر کے گرد دوسروں کو بسا دیا[1]۔

پیغمبروں کے ان صحیفوں اور آسمانی کتابوں کی صحت، حفاظت اور مطابق اصل ہونے کے بارے میں یہودیوں کا معیار اور نقطۂ نظر، اس معیار اور نقطۂ نظر سے قطعاً مختلف ہے، جو مسلمانوں کا قرآن مجید کے بارے میں ہے، مسلمان قرآن مجید کے ہر لفظ کو کلام الٰہی، منزل من اللہ اور اپنے زمانۂ نزول سے لے کر اس وقت تک محفوظ مانتے ہیں، یہودیوں کے نزدیک ان کتابوں میں ترمیم و کمی بیشی ان کی

---

[1] مقدس صحیفوں کی تاریخ کی کتابیں، اور جیوش انسائیکلوپیڈیا ملاحظہ ہوں، ان حوادث کی طرف صحیفہ نحمیا و مقابین میں بھی اشارے ملتے ہیں۔

آسمانی کتابیں ہونے کے منافی نہیں، وہ انبیاء کو ان کا مصنف کہنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اقتباسات سے یہودیوں کے عقیدہ اور طرز فکر، اور اپنی کتب مقدسہ کے بارے میں نقطۂ نظر کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے، ممتاز ترین یہودی فضلاء اور ماہرین فن کی تیار کی ہوئی یہودی انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

"یہودی روایات اگرچہ اس پر مصر ہیں کہ عہد نامہ قدیم انھیں کرداروں کی تصنیف ہے جو ان میں مذکور ہیں، اور یہ قطعاً غیر مناسب بھی نہیں ہے، مگر انھیں یہ ماننے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ان میں سے بعض کتابوں میں بعد میں ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے[1]۔"

"قدیم یہودی روایات کے مطابق توریت کی پہلی پانچ کتابیں (آخری آٹھ آیات کو چھوڑ کر جن میں موسیٰ کی موت کا ذکر ہے) موسیٰ کی تصنیف ہیں، لیکن ان صحیفوں کے متعدد تناقض اور اختلافات کی جانب ربی برابر توجہ دیتے اور اپنی خوش تدبیری سے انھیں درست کرتے رہے ہیں[2]۔"

---

[1] جیوش انسائیکلوپیڈیا ص۹۳ YELLENTINE'S - ONE VOLUME

JEWISH ENCYCLOPEDIA, LONDON. P. 93

[2] جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۹ ص۵۸۹

"اسپینوزا (SPINOZA) کا کہنا ہے کہ عہد نامۂ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں موسیٰؑ کی نہیں عذرا کی تصنیف ہیں۔"[1]

"جدید ترین تحقیق نے آخر کار یہ قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں کم از کم ۴ مختلف سرچشموں سے ماخوذ ہیں۔"[2]

جہاں تک اناجیل اربعہ کا سوال ہے (جو عہد جدید کہی جاتی ہیں) تو ان کا معاملہ عہد عتیق سے بھی گیا گذرا ہے، اس کی تدوین اور اس کے مولفین کے بارے میں بڑی پیچیدگیاں اور دشواریاں، اور شک و شبہ پایا جاتا ہے، اور ان کے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے درمیان ایک بڑی خلیج حائل ہے، جس کا پاٹنا اور جسے عبور کرنا کسی بھی محقق اور مورخ کے امکان میں نہیں رہ گیا ہے۔[3] یہ انجیلیں دینی کونسلوں اور مختلف زمانوں میں برابر تغیر و تبدیلی، اور اصلاح و ترمیم کا نشانہ بنتی رہی ہیں، اس کے علاوہ وہ آسمانی کتابوں اور وحی والہام پر مبنی ہونے کے بجائے سیر و سوانح اور واقعات و حکایات

---

[1] جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۹ صـ ۵۹۰، [2] ایضاً صـ ۵۹۰

[3] ماخوذ از تفسیر ماجدی انگریزی، اناجیل اربعہ کے مرتبین کے زمانہ کے تعین، انکی ترتیب زمانی، اور ان ماخذ اور سرچشموں کے بارے میں (جن سے ان صحیفوں کا مواد حاصل کیا گیا) اختلافات معلوم کرنے کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر ای۔ او۔ جیمس (E.O. JAMES) پروفیسر تاریخ مذاہب، لندن یونیورسٹی کی فاضلانہ کتاب "تاریخ مذاہب" (HISTORY OF RELIGIONS) لندن (۱۹۵۶ء) صـ ۱۶۰، ۱۸۰

کی کتابیں زیادہ معلوم ہوتی ہیں، اور اس کی شہادت ہر وہ شخص دیگا جس کی ان کی تاریخ و ادوار پر وسیع اور گہری نظر ہوگی، جن سے یہ کتابیں گذرتی رہی ہیں۔

یہ انجیلیں مسلمانوں کے دوسرے اور تیسرے درجہ کے مجموعہ ہائے حدیث و سنن کا استناد اور اعتماد و اعتبار بھی نہیں رکھتیں، چہ جائیکہ وہ صحاح ستہ کے برابر ہوں، اس لئے کہ یہ کتابیں اپنے مؤلفین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل اور متصل سند اور سلسلہ رکھتی ہیں مسلمانوں کے نزدیک حدیث صحیح وہ ہے جو معتبر راویوں کی پوری احتیاط و دیانتداری کے ساتھ، سند متصل کے ساتھ نقل ہوئی ہو، اور جس کے راویوں اور خود اس روایت میں کوئی عیب اور نقص (علت و شذوذ) نہ ہو[1] اس کے برخلاف تمام اناجیل، سند کی تمام قسموں سے خالی ہیں، ان کی ان کے مؤلفین تک کوئی سند متصل نہیں، اور نہ ان کے مؤلفین سے حضرت عیسیٰؑ تک کوئی سند موجود ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے ہاتھوں میں جو صحیفے ہیں، وہ اب اس زبان میں نہیں، جس میں وہ نازل ہوئے تھے، اور جسے حضرت مسیحؑ اور ان کی قوم بولتی تھی، بلکہ وہ ایک زبان سے دوسری زبان میں برابر

---

[1] تفصیلات اور حدیث کے اقسام اور ان کے شرائط کیلئے وہ کتابیں ملاحظہ ہوں جو اصول حدیث و اقسام و مصطلحات حدیث پر لکھی گئی ہیں، اور انکا بہت بڑا ذخیرہ ہے

ترجمہ ہوتے چلے آرہے ہیں، اور مختلف ترجموں کے ہاتھوں ہم تک پہونچے ہیں، اسی لئے یہ درحقیقت سیرت وتاریخ کی کتابیں، اور قصص ومواعظ کے مجموعے ہیں، اگر انھیں احتراماً مسلمان عوام میں پھیلے ہوئے میلادناموں سے یاد نہ کریں، تو انھیں زیادہ سے زیادہ چوتھے نمبر کی کتب حدیث کا درجہ دیا جا سکتا ہے، جن میں صحت و تحقیق کا بلند معیار قائم نہیں رہا، انھیں سب حقائق کے پیش نظر ان صحیفوں اور قرآن کا موازنہ ہی سرے سے غلط ہے، اور ناواقفیت پر مبنی ہے، کیونکہ موازنہ اور مقابلہ ایک درجہ کی چیزوں میں ہوتا ہے۔

نومسلم فرانسیسی مستشرق موسیو ایتین دینیہ (EATON DIEN) نے ان اناجیل کے تعارف اور ان کے علمی وتاریخی مقام کی تعیین کرتے ہوئے خوب لکھا ہے کہ ـــــــ

"اللہ نے جو انجیل حضرت عیسیٰؑ کو ان کی اور قوم کی زبان میں دی تھی، وہ تو کوئی شک نہیں کہ ضائع ہو چکی ہے، اور اب اس کا کوئی نام ونشان بھی نہیں رہ گیا ہے، یا وہ خود تلف ہو گئی یا عمداً تلف کر دی گئی، اسی وجہ سے عیسائیوں نے اس کی جگہ چار "تالیفات" کو اپنا لیا، جن کی صحت اور تاریخی حیثیت مشکوک ہے، کیونکہ یہ یونانی زبان میں ملتی ہیں، جس کا مزاج حضرت عیسیٰؑ کی اصل سامی زبان سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا، اسی لئے ان یونانی انجیلوں کا اپنے اتارنے والے سے رشتہ اور

رابطہ یہود کی تورات، اور عربوں کے قرآن سے کہیں کمزور ہے"۔[1]

بائبل کی داخلی شہادتیں بھی اس کی صریح تاریخی غلطیوں، واضح تضادات، اور عقلاً محال چیزوں کی طرف اشارے کرتی ہیں، جیسے اس میں اللہ کی طرف ان چیزوں کا انتساب کیا گیا ہے، جو اس کے جلال و کمال کے کسی طرح شایان شان نہیں، اور نہ اس کی ان صفات ہی کے مطابق ہیں، جو آسمانی مذاہب میں متفق علیہ ہیں اور جنھیں عقل سلیم تسلیم کرتی ہے، اس میں انبیاءؑ پر ایسے اتہام و الزام ہیں جن سے معمولی انسان بھی بری اور برتر ہوتے ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سے داخلی شواہد تورات و انجیل میں (جنھیں مجموعی طور پر بائبل (BIBLE) یا کتابِ مقدس[2] کہا جاتا ہے) الحاق و

---

[1] اضواء علی المسیحیۃ ص ۵۲، ۵۳

[2] اپنے موضوع پر منفرد کتاب "اظہار الحق" جو مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ و مدفون مکہ مکرمہ) کے قلم سے ہے، ملاحظہ ہو، مصنف نے کتاب مقدس کے ۱۲۲ لفظی اختلافات کی نشاندہی کی ہے اور ۱۰۰ ایسی غلطیاں شمار کی ہیں، جن کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی "اظہار الحق" اصلاً عربی زبان میں ہے، ہمارے فاضل دوست مولانا محمد تقی عثمانی نے اس کا ترجمہ کروایا، اور اس میں ایک فاضلانہ مقدمہ لکھا، یہ کتاب کراچی سے "بائبل سے قرآن تک" کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہو گئی ہے۔

اضافہ اور تبدیلی کی نشان دہی کرتے ہیں۔

یہ ان صحیفوں کا حال ہے، جن کو ان کے ماننے والے ہزاروں برس سے سینوں سے لگائے ہوئے ہیں، اور دُنیا کی دو متمدن ترین قومیں (یہودی اور عیسائی) ان کی حلقہ بگوش اور علمبردار ہیں، اور اسلام اور مسلمانوں نے بھی ان کو اس حد تک تسلیم کیا ہے کہ ان دونوں کو "اہلِ کتاب" کا لقب اور امتیاز دیا، باقی رہے ہندوستان کے "وید" اور ایران کی "اوستا" تو ان کا زمانہ اتنا قدیم، ان کے بارے میں تاریخی معلومات اس قدر کم، اور ان کے اصل مطالب اور حقیقی مقاصد تک پہونچنا اس قدر دشوار ہے، اور ان کے ساتھ بھی ایسے تاریخی حوادث پیش آئے کہ ان کی صحت اور بھی مشکوک، ان کے زمانہ کا تعین اور بھی دُشوار ہے، اور ان کے متعلق کچھ کہنا اور بھی مشکل ہوگیا ہے۔

اے بارتھ (A.BARTH) ممبر رائل سوسائٹی برائے ایشیا پیرس (THE SOCIETY ASIATIQUE OF PARIS) اپنی کتاب "ہندوستانی مذاہب" (THE RELIGIONS OF INDIA)[1] میں لکھتا ہے:۔

" اگر ہم کچھ الحاقی مواد الگ کر دیں، جسے تنقید کے ذریعہ

---

[1] طبع دہلی ۱۹۶۹ء ص ۵۰۳

جُدا کرنا مشکل نہیں ہے، تو پھر اس صحیفہ کی بحیثیت مجموعی صرف مختصر اصل عبارت باقی رہ جاتی ہے، جیسا کچھ یہ ہے، بس اسی کا دعویٰ بھی کرتا ہے، یعنی نہ تو یہ منجانب خدا ہونے کا مدعی ہے اور نہ کسی مصنوعی طریقہ پر اپنی عمر کو پوشیدہ رکھتا ہے، اسکی عبارت میں بکثرت اضافے اور تحریفات کی گئی ہیں، لیکن یہ سب نیک نیتی کے ساتھ کیا گیا ہے، پھر بھی ان صحیفوں کی عمر کا تعین کرنا یا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے، برہمنا (BRAHMANAS) وہ حصے جو سب سے بعد میں تحریر کئے گئے ہیں، وہ ہمارے عہد کی ابتداء سے پانچ سو سال سے زیادہ پرانے نہیں ہیں، ویدوں کا بقیہ مواد اس سے بھی قدیم ہے، اس قدر قدیم کہ متعین طور پر اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا اور اس کی قدیم ترین تحریروں کے بارے میں تو کچھ کہنا بالکل ناممکن ہے۔"

خود ممتاز ہندو فضلاء، اور ہندوستانی ماہرین و محققین ان صحیفوں کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں، اور ان کی بے لاگ تحقیق اور فکر و نظر نے ان کو کس نتیجہ تک پہونچایا ہے اس کا اندازہ ذیل کے دو اقتباسات سے ہو گا۔

مشہور فاضل سریش چندر چکرورتی (Suresh Chandra Chakravarti) لکچرر کلکتہ یونیورسٹی، اپنی کتاب (PHILOSOPHY OF THE UPANISHADS) میں لکھتے ہیں:——

"اس سلسلہ میں دو مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں، ان میں سے

ایک کی نمائندگی بال گنگادھر تلک کرتے ہیں، اور دوسرے کی مکس ملر (MAX MULLAR)، تلک کا خیال ہے کہ ویدوں کے مناجات ۴۵۰۰ سال قبل مسیح وجود میں آئے، جبکہ مکس ملر رگ وید کو ۱۲۰۰ سال قبل مسیح سے زیادہ قدیم نہیں سمجھتا، حالانکہ وہ اس پر متفق ہے کہ رگ وید آریائی فکر و خیال کی قدیم ترین دستاویز ہے"........ رگ وید کی عمر کا تعین کئے بغیر یہ اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے، کہ اگرچہ رگ وید کے مناجات ایک مجموعہ میں منضبط کر دیئے گئے ہیں، لیکن اس کے مختلف حصے ایک ہی زمانہ میں تحریر نہیں کئے گئے تھے، اور اس لئے ان کی تاریخ تحریر کا تعین کر کے رگ وید کی عمر کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، یہ ماننا پڑے گا کہ رگ وید کے اوّل سے آخر تک تمام مناجات کئی صدیوں میں تصنیف کئے گئے تھے"[1]

ویدوں کے بنیادی فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے نامور ہندوستانی عالم ڈاکٹر رادھا کرشنن (ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ) اپنی مشہور کتاب "انڈین فلاسفی" (INDIAN PHILOSOPHY) جلد دوم میں لکھتے ہیں :—

"ویدوں کا پیش کردہ مجموعی فکری تصور نہ تو معین ہے، اور نہ واضح، اور اس وجہ سے مختلف مکاتب فکر اسے مختلف طریقوں سے استعمال

---

[1] طبع کلکتہ ۱۹۳۵ء ص ۲۲،۲۴

کر سکتے ہیں، علاوہ ازیں ویدوں کی وسعت میں بذات خود اس امر کی پوری گنجائش موجود ہے کہ مصنفین پوری آزادی کے ساتھ اپنے اعتقاد کے مطابق اس سے اپنے حسب منشاء سند اخذ کر سکتے ہیں۔[1]"

رہا ایران قدیم کا مذہبی صحیفہ (اوستا) جس کو پارسی مقدس آسمانی کتاب مانتے ہیں، تو اس کے متعلق ایک ایسے مغربی فاضل کی شہادت پیش کی جاتی ہے، جس کے مطالعہ کا یہ خاص موضوع رہا ہے۔

رابرٹ ایچ پفائفر (ROBERT H. PFEIFFER) سابق صدر شعبۂ سامی لسانیات (DEPARTMENT OF SEMITIC LANGUAGES) ہارورڈ یونیورسٹی، "این انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن"[2] (AN ENCYCLOPEDIA OF RELIGION) میں لکھتے ہیں:—

"اصل اوستا (بلحاظ روایت) تمام علوم کا مجموعہ تھا، اس کا زیادہ حصہ سکندر نے برباد کردیا، اور پھر بچے کھچے اجزاء سے ۲۱ حصوں یا نسک (NASK) پر مشتمل ایک کتاب تیسری صدی عیسوی میں ترتیب دی گئی، لیکن اس میں سے کل ایک جزء یا نسک (NASK) جس کا نام وندیداد (VENDIDAD) ہے، پوری طرح باقی بچا ہے، تیں صدی عیسوی

---

[1] طبع لندن ۱۹۲۷ء صفحہ ۲۱، ۲۲

[2] طبع نیویارک ۱۹۴۵ء صفحہ ۴۹

کے بعد صرف عبادات سے متعلق کچھ حصّہ ہندوستان لے جایا گیا اور وہاں پانچ حصّوں میں پایا جاتا ہے، جن کے نام "یاسنا" (YASNA) بشمول گاتھا (GATHA) ویسپرڈ (VESPERED)، دینديد (VENDID) اور خورد اوستا (KHORDA AVASTA) ہیں۔"

لیکن قرآن مجید جو اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں سب سے آخری کتاب اور سب کا مصدق و نگراں ہے، اور جس پر انسانیت کی ہدایت، مخلوق کا خالق سے رابطہ اور بعثت محمدی سے قیامت تک دعوت الی اللہ کی ذمہ داری ہے، تو اس کی شان دوسری آسمانی کتابوں سے بالکل مختلف ہے، اور اس کی بات ہی کچھ اور ہے، اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت اور ہر قسم کی تحریف و تبدیلی، کمی اور زیادتی سے دُور رکھنے کا ذمّہ لیا، اور فرمایا ہے:

وَإِنَّهُ لَكِتَٰبٌ عَزِيزٌ ۝ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِۦ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝	اور یہ تو ایک عالی مرتبہ کتاب ہے، اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (خدا) کی اُتاری ہوئی ہے۔

(حم السجدہ ۔ ۴۱-۴۲)

اسی طرح سے مسخ ہونے اور کسی ہرزہ کاری کا نشانہ بننے، حافظہ سے نکل جانے، اور سینوں سے محو ہو جانے، یا کسی حادثہ میں معدوم ہو جانے سے بھی محفوظ کر دیا گیا ہے، جیسا کہ

توراۃ کے بارے میں بارہا پیش آیا، اسی لئے فرمایا:—

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○ (الحجر۔ ۹)

بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اُتاری ہے، اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

اس وعدۂ حفاظت میں، قرآن کے حفظ و بقا، اشاعت و فروغ، تلاوت کئے جانے پڑھے اور سمجھے جانے، متروک و از کار رفتہ، و ناقابل عمل، ناقابل فہم اور نقش طاق نسیان ہو جانے کی پوری نفی موجود ہے، اس لئے کہ عربی کا بلیغ لفظ "حفظ" بڑے وسیع آفاق اور عمیق معانی رکھتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اس کی اصلیت اور اس کے تمام لوازمات کے ساتھ (جیسا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی) باقی رکھنے کا فیصلہ کر لیا، تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے نفوس بشری فطری اور خارجی اسباب، اور حوادث عالم کو اس مقصد جلیل کی تکمیل میں لگا دیا، چنانچہ جیسے ہی قرآن کی کوئی آیت زبانِ نبوت سے نکلتی اور کانوں میں اس کی آواز پڑتی، مسلمان اسے حرز جان بنانے اور دل پر نقش اور حافظہ میں محفوظ کرنے کے لئے پروانہ وار گرتے، اس مسابقت میں اس فطری محبت کو بھی دخل تھا، جو قرآن کی طرف سے ان کے دلوں میں رکھی گئی تھی، اور خود قرآن کے اعجاز و بلاغت اور اس کے الفاظ و تلفظ کی نرمی و حلاوت کے علاوہ حفاظ و حاملین قرآن کے فضائل کی آیات و

متواتر احادیث کو بھی دخل تھا[1]، اس کے علاوہ مسلمانوں کو قرآن سے نماز و عبادت، قانون و احکام، تمدن و معاشرت اور علم و ادب کے مختلف پہلوؤں کے ذریعہ متعلق کر دیا گیا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن سے مسلمانوں کا قلبی تعلق، عشق و وارفتگی کی حد کو پہونچ گیا، اور آغاز اسلام ہی سے ان میں حفاظ کی حیرت انگیز کثرت ہو گئی، چنانچہ واقعۂ بیر معونہ میں جو ۳ھ میں پیش آیا، مسلمانوں میں سے ایسے ستر آدمی شہید ہوئے جو قاری یعنی حافظ و عالم کہلاتے تھے[2]، اور اسی طرح حفاظ کی تعداد، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے تناسب اور حفظ کی رغبت کے سبب بڑھتی ہی رہی ہے، اور یہ تعجب خیز سلسلہ ہر چھوٹے بڑے شہر اور مسلم معاشرے میں جاری ہے۔ مسلمان قرآن کو ایک سینے سے دوسرے سینہ اور ایک زبان سے دوسری زبان کی طرف منتقل کرتے رہتے ہیں، اور وہ اس کے حفظ میں وہ مہارت و کمال، اس کی قرأت اور صحیح پڑھنے اور ایک دوسرے سے بڑھ جانے، اس کی تلاوت اور اس کے ذریعہ عبادت کا

---

[1] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو "فضائل قرآن" از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہٗ

[2] البدایہ والنہایۃ جلد ۴ ص۷۱ بیر معونہ کی حدیث مشہور ہے جسے بخاری و مسلم اور اصحابِ سنن نے روایت کیا ہے۔

وہ شوق و شغف رکھتے ہیں کہ عام غیر مسلموں کو اس کا یقین نہیں ہوگا، البتہ وہ غیر مسلم جو کسی اسلامی ماحول میں رہتے، اور مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں، اس کا کسی قدر اندازہ کر سکتے ہیں۔ ان حفاظ کی تعداد ہر زمانہ میں حد شمار سے باہر رہی ہے، اور اس زمانہ میں تو ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جانشینوں اور مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار لوگوں کو اس طرف الہامی طور پر متوجہ کیا تھا، جنگ یمامہ میں جب کثرت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے، تو انھیں اندیشہ ہوا کہ حفاظ کی شہادت سے قرآن کی بقا کو (اگر اس کا دار و مدار حافظہ ہی پر رہا) خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، یہ خیال سب سے پہلے حضرت عمرؓ کو ہوا، جو صحابہ کرامؓ میں مسلمانوں کی مصلحت و ضرورت کو سمجھنے میں اوّلیت رکھتے تھے، اور جن کے دل کی آواز اکثر مقاصد شریعت سے ہم آہنگ ہوتی تھی، چنانچہ آپؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جو خلیفۂ وقت تھے، قرآن کو جمع اور قید تحریر میں لانے کی تجویز رکھی، جو اس وقت تک چمڑے کے ٹکڑوں، کھجور کی چھالوں اور سنگ سفید کی تختیوں[1] پر

[1] عربی میں لخاف کا لفظ آتا ہے، جو لخفۃ کی جمع ہے، اور سفید اور پتلے پتھروں کے معنی میں ہے، دوسرا لفظ عُسُب آتا ہے، جو عسیب کی جمع ہے، یہ کھجور کی وہ شاخ ہوتی ہے جس پر پتیاں نہیں اُگتیں۔

لکھا ہوا، اور لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو شرح صدر عطا فرمایا، اور انھوں نے اس کام کی ذمہ داری حضرت زید بن ثابتؓ کے سپرد کردی، جنھوں نے اسے پورے اہتمام سے نبھایا، اور قرآن کو حافظوں کے سینوں اور کاتبین وحی کی تحریروں اور سفینوں سے جمع کیا، اور اس طرح یہ قرآنی صحیفے وجود میں آئے جو لوگوں کے رجوع و اعتماد کا محور ہے، جب خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا، اور فتوحات کی کثرت کے سبب قرآن کے حافظ و قاری مختلف ممالک میں پھیل گئے، اور وہاں کے لوگوں نے آنے والے قاریوں اور حافظوں کی قرأت قبول کرلی اور اس طرح قرأت کے مختلف طریقے سامنے آنے لگے، نیز اہل عجم کے کثرت سے مسلمان ہونے سے لب ولہجہ میں فرق ہونے لگا، اور صحابہؓ کو اس سے قرآن میں تحریف و تبدیلی کا اندیشہ پیدا ہونے لگا تو حضرت عثمانؓ نے عہد صدیقی کے مختلف صحیفوں کو ماخذ بنا کر قرآن کو قرأت متواترہ کے مطابق لکھنے کا حکم دے دیا، اور ہر اسلامی آبادی میں قرآن کا ایک ایک نسخہ فراہم کردیا، اور ایک نسخہ مدینہ منورہ میں رکھا جس کا نام الامام تھا۔ قرآن کے انھیں نسخوں کو مشرق و مغرب کے مسلمانوں نے قبول کیا، اور اسی پر ان کی نسلیں قائم اور انکی زبانیں اس کی عادی رہیں، انھوں نے قرآن حفظ کیا، اس کے ذریعہ اللہ کی عبادت کی اور آج بھی عالم اسلام کے ایک کنارے سے

دوسرے کنارے تک اسی مصحف عثمانی پر اعتماد کیا جاتا ہے اور ۲۵ھ سے جب یہ آخری ترتیب قائم ہوئی اب تک اس سے اسلامی معاشرہ میں نہ کسی کو اختلاف ہوا، اور نہ کسی آثار قدیمہ کے میوزیم اور لائبریری میں کوئی نئی دریافت ہوئی۔[1] مسلمانوں کا اس جمع و تدوین کے کام کے ختم ہونے کے بعد سے اب تک اس قرآن پر اجماع و مکمل اتفاق رہا ہے۔ اور اب تو قرآن تحریف اور حسب مطلب تبدیلی کرنے والوں کی دست برد سے علماء و حفاظ کی کثرت، اور لوگوں کے درمیان اشاعت اور کثرت طبع کے سبب بالکل محفوظ ہو گیا ہے ——

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں یہ اعتراف موجود ہے کہ: ——

"قرآن روئے زمین پر سب کتابوں سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے"۔[2]

مستشرقین اور یورپی محققین جو قرآن کو الہامی کتاب نہیں مانتے

---

[1] مسٹر ای منگانا سابق استاذ مانچسٹر یونیورسٹی کہتے ہیں: "یورپ کی لائبریریوں میں قرآن کے بہت سے قلمی نسخے ہیں۔ ان میں سب سے پرانا دوسری صدی ہجری کا ہے لیکن ان میں کوئی لفظی اختلاف نہیں ہے، البتہ طرز کتابت کا تھوڑا سا اختلاف ہے جو قدیم عربی خط کے عیب کے سبب ہے، ایسا ہی خیال نولدیک (NOELDEKE) نے انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ج ۱ ص ۵۴۸، ۵۴۹ میں ظاہر کیا ہے۔

[2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا عنوان "محمدؐ"

جسے بذریعہ وحی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہو، وہ بھی مذکورہ بالا خیال سے متفق ہیں، چنانچہ ہم یہاں کچھ مسیحی محققین کے اقوال درج کرتے ہیں۔ سر ولیم میور جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اپنے تعصب کے لئے مشہور ہے جس کے سبب سے ہندوستانی مسلمانوں کی نئی تعلیم کے علمبردار سر سید احمد خاں بانیٔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو اس کی کتاب "لائف آف محمدؐ" کے جواب میں "خطباتِ احمدیہ" لکھنی پڑی تھی، وہ مذکورہ کتاب میں لکھتا ہے:۔۔۔۔۔

"حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے ربع صدی بعد کے اندر ہی ایسے شدید مناقشات، اور فرقہ بندیاں پیدا ہو گئیں جن کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے، اور یہ اختلافات آج بھی باقی ہیں، لیکن ان سب فرقوں میں قرآن ایک ہی ہے۔ ہر زمانہ میں تواتر کے ساتھ ان سبھی فرقوں کا ایک ہی قرآن پڑھنا اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ آج ہمارے سامنے وہی صحیفہ ہے جو اس بدقسمت خلیفہؓ کے حکم سے تیار کیا گیا تھا، شاید پوری دنیا میں کوئی دوسری ایسی کتاب نہیں جس کی عبارت بارہ صدیوں تک اس طرح بغیر تبدیلی کے باقی رہی ہو۔ قرآن میں قرأت کے اختلافات بھی حیرت انگیز طور پر بہت کم تعداد میں ہیں اور یہ بھی ان اعراب کی

لے نقل مطابق اصل

وجہ سے ہیں، جو بہت بعد کے زمانہ میں لگائے گئے تھے"۔[1]

وھیری (WHERRY) اپنی تفسیر قرآن میں لکھتا ہے:۔

"تمام قدیم صحیفوں میں قرآن سب سے زیادہ غیر مخلوط اور خالص (Purest) ہے"۔[2]

قرآن کا معروف انگریزی مترجم پامر (PALMER) کہتا ہے:۔

"حضرت عثمانؓ کا ترتیب دیا ہوا متن اس وقت سے آج تک طے شدہ اور مسلم صحیفہ رہا ہے"۔[3]

لین پول (LANEPOOLE) کہتا ہے:۔

"قرآن کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی اصلیت میں کوئی شبہ نہیں ہے، ہر حرف جو ہم آج پڑھتے ہیں اس پر یہ اعتماد کر سکتے ہیں کہ تقریباً تیرہ صدیوں سے غیر مبدل رہا ہے"۔[4]

اس حقیقت کے ہوتے ہوئے اسلام میں کسی نبوت کی ضرورت نہیں پڑی جو شک وشبہ کو ختم، حق وباطل کی تمیز اور کسی دروغ گو کے جھوٹ کا پردہ چاک کرے، اور نہ کسی اور کتاب کی ضرورت واقع ہوئی جو منسوخ کتاب کی جگہ لے، جو تحریفات اور زیادتی کا نشانہ بن چکی تھی۔[5]

---

[1] SIR WILLIAM MUIR. LIFE OF MOHAMMED (1912) P. XXII

[2] کمنٹری آن دی قرآن۔ ج ۱، ص ۳۴۹ COMMANTARY ON THE QURAN

[3] THE QURAN INTRODUCTION. P. 79

[4] یہ سب شہادتیں اور اقتباسات مولانا عبد الماجد دریابادی کی انگریزی تفسیر سے ماخوذ ہیں

[5] ماخوذ از "منصب نبوت اور اسکے عالی مقام حاملین" ص ۲۲۱۔ ۲۴۳

قرآنِ مجید سے استفادہ کے شرائط و مویّدات

اور موانع

قرآن مجید کی مخاطب پوری نوع انسان ہے، لیکن جس طرح زمین کے مختلف قطع اپنی صلاحیت کے مراتب اور اپنی پیاس اور پانی کی طلب کے درجہ کے اعتبار سے، اور پھر اس سے فائدہ اٹھانے کی قوت کے لحاظ سے اس بارانِ رحمت سے فائدہ اٹھانے میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، اور جس طرح صالح سے صالح غذا مختلف انسانی معدوں میں جاکر مختلف اثر کرتی ہے، اسی طرح قرآن مجید کا خطاب بھی سب سے یکساں ہے، لیکن اس کو قبول کرنے اور اس سے مستفید ہونے کی صلاحیت سب کی یکساں نہیں ہوتی، چیز ایک ہے لیکن اس کے انسانی ظرف اور محل باہم متفاوت ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اثر و نتائج کا یہ اختلاف قرآن میں خود بیان کیا ہے ـــــــ اور اس کے دو متضاد اثرات کو ساتھ ہی ساتھ ذکر کیا ہے:ـــــــ

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ○	اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن کو جو شفا اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے، اور ظالموں کے لئے وہ خسران ہی کا باعث ہوگا۔
(سورۃ الاسراء۔ آیت ۸۲)	
قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۚ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۚ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ○	آپ کہہ دیجئے کہ وہ ایمان والوں کیلئے ہدایت اور شفا ہے، اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے، اور وہ ان کے لئے نابینائی اور گمراہی کا باعث ہے، ان کو دور سے آواز دی جارہی ہے۔
(سورۃ فصلت ع ۵)	
وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○	اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں زیادتی کی پس وہ لوگ جو ایمان لائے انکے ایمان میں تو زیادتی ہوئی اور وہی عنقریب خوش ہونگے۔
وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ	لیکن جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے تو ان کی خباثت ہی میں اضافہ ہوگا اور وہ کفر ہی کی حالت میں

كَـٰفِرُوْنَ ۝	مریں گے۔
(التوبة - ع - ١٦)	
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝	اللہ کو اس سے شرم نہیں آتی کہ وہ کوئی مثال بیان کرے مچھر کی یا اس سے بھی چھوٹی، پس وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ یہی حق ہے ان کے پروردگار کی طرف سے، اور کافر کہتے ہیں کہ اللہ نے اس مثال سے کیا مرادلی ہے، گمراہ کرتا ہے اس سے بہتوں کو اور رہ دیتا ہے بہتوں کو ہدایت، اور گمراہ صرف نافرمانوں ہی کو کرتا ہے۔
(البقرة - ع - ٣)	

بعض آیات میں مومنین اور بعض آیات میں کفّار پر قرآن مجید کے الگ الگ اثر کو بیان کیا

مومنین کے متعلق:۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (البقرة - ع - ١)	(قرآن) ہدایت ہے اہلِ تقویٰ کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں غیب پر، اور نماز کے پابند ہیں، اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ○

(الانفال ـ ع ـ ۱)

مسلمان تو صرف وہی ہیں کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا نام لیا جائے تو ان کے دل کانپ اُٹھیں، اور جب اُن کے سامنے اس کی آیتیں پڑھی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جائے، اور وہ اپنے خدا ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ○

(الزمر ـ ع ـ ۳)

اللہ نے بہترین کلام نازل کیا جس کی آیتیں ایک دوسرے سے مُشابہ ہیں اور جو بار بار دُہرائی جاتی ہیں، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس سے ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے جسم اور دل اور وہ اللہ کی یاد کی طرف راغب ہو جاتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے راہ راست پر لانے والا کوئی نہیں۔

کفّار کے متعلق:

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا

اور جب ان کے سامنے ہماری

بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۚ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ

(الحج۔ ع۔ ۹)

آیتیں واضح طریقہ پر پڑھی جاتی ہیں تو آپ کافروں کے چہروں پر بُرائی محسوس کرتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر ٹوٹ پڑیں، جو ان کے سامنے ہماری آیتیں پیش کرتے ہیں

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ

(الزمر۔ ع۔ ۵)

اور جب صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہیں ان کے دل تنگ ہونے لگتے ہیں۔

وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○

(التوبۃ۔ ع۔ ۱۶)

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہنے لگتے ہیں کہ تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے، پھر چل دیتے ہیں، اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے کیونکہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں۔

لیکن قرآن مجید نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مومنین

کی اس اثر پذیری اور نفع اندوزی، اور کفار کی اس بے اثری اور گمراہی میں ترقی کے ذکر کے موقع پر مومنین اور کفار کے مقابل اخلاق وصفات، اور عقائد واعمال کا بھی ذکر کیا ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان متقابل اوصاف کو مختلف نتائج میں ضرور دخل ہے، ان اوصاف کی روشنی میں ہم قرآن سے استفادہ کے شرائط اور قرآن سے استفادہ کے موانع مرتب کر سکتے ہیں، اور یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ کس قسم کے اخلاق اور کس قسم کی ذہنیت اور تربیت قرآن سے مناسبت رکھتی ہے، اور اس کے سمجھنے اور فائدہ اٹھانے کے لئے معاون ہے، اور کس قسم کی ذہنیت اور سیرت قرآن کی منافی ہے، اسکے لئے حجاب بنتی ہے، اور اس کے متنوع اصلاحی اور انقلابی نتائج پیدا کرنے میں مزاحم ہے، اس کو مختلف عنوانوں کے ماتحت ذکر کیا جاتا ہے۔

قرآن سے استفادہ کے موانع

قرآن سے استفادہ اور ہدایت کے موانع کو قرآن نے کفار کی محرومی کے تذکرہ کے ساتھ ذکر کیا ہے، قرآن سے فائدہ اٹھانے، اور اس کے روحانی واعتقادی انقلاب واصلاح کے راستہ میں یہ اخلاق و اعتقادات سخت مزاحم ہیں، کفار کے علاوہ اگر مسلمانوں میں بھی یہ موانع پائے جائیں گے تو قرآن مجید سے فائدہ اُٹھانے میں حائل ہوں گے۔

(۱) تکبّر

انبیاء کرام کی تعلیم کے برکات ونتائج اور ان کی پیروی کی سعادت سے محرومی کا بڑا سبب اکثر تکبّر، جھوٹی عزّتِ نفس اور خودداری کا جاہلی جذبہ ہوتا ہے، کبھی یہ انکار اور استکبار براہ راست قبول حق سے ہوتا ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے اپنے جاہ واقتدار

سے دست بردار ہونا پڑتا ہے، جاہلی عادات و رسوم چھوڑنے پڑتے ہیں، بہت سے فوائد سے ہاتھ اٹھانا پڑتا ہے، آزادی اور خودسری کی زندگی کے بجائے پابندی اور قانون کی زندگی گزارنی پڑتی ہے، بہت سے لوگوں پر یہ انقلاب حال بہت شاق گزرتا ہے اور ان کا تکبر قرآن کے انکار پر ان کو آمادہ کرتا ہے، مندرجہ ذیل آیات میں انہیں کا تذکرہ ہے:۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِہَا وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا ذٰلِکَ بِاَنَّہُمْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا عَنْہَا غٰفِلِیْنَ ○

(الاعراف۔ ع۔ ۱۷)

جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا، اگر یہ سب نشانیاں بھی دیکھیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر راستی کا راستہ دیکھیں تو (اپنا) راستہ نہ بنائیں، اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اپنے لئے راستہ بنالیں، یہ اس لئے کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، اور ان سے غفلت کرتے رہے۔

وَیْلٌ لِّکُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ ۙ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُتْلٰی عَلَیْہِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَکْبِرًا کَاَنْ لَّمْ

ہر جھوٹے گنہگار پر افسوس (کہ) خدا کی آیتیں اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کو سن تو لیتا ہے (مگر)

يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ○

(الجاثیہ۔ ع۔۱)

پھر غرور سے ضد کرتا ہے کہ گویا ان کو سنا ہی نہیں، سو ایسے شخص کو دکھ دینے والے عذاب کی خوش خبری سنا دو۔

ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ○

(المدثر)

پھر پشت پھیر کر چلا (اور قبول حق سے) غرور کیا،

فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ○ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ○

(المدثر۔ ع۔۱)

پھر کہنے لگا یہ تو جادو ہے جو (اگلوں سے) منتقل ہوتا چلا آیا ہے (پھر بولا) یہ (خدا کا نہیں بلکہ) بشر کا کلام ہے۔

کبھی پیغمبر کی ظاہری حالت اور غربت کو دیکھ کر وہ اس کے پیغام اور تعلیم سے انکار و استکبار کرتے ہیں، اور اس کی پیروی میں اپنی اہانت محسوس کرتے ہیں، فرعون نے کہا تھا:

أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ ○ فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّن ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ مُقْتَرِنِينَ ○

(الزخرف۔ ع۔۵)

بیشک میں اس شخص سے جو کچھ عزت نہیں رکھتا، اور صاف گفتگو بھی نہیں کرسکتا کہیں بہتر ہوں،...... تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اتارے گئے یا (یہ ہوتا کہ) فرشتے جمع ہو کر اس کے ساتھ آتے۔

اور کفار قریش نے کہا تھا:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ (الزخرف۔ع۔۳)	اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (یعنی مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا۔

کبھی محض اس کی بشریت ان کے لئے عذر بن جاتی ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ (التغابن۔ع۔۱)	یہ اس لئے کہ ان کے پاس پیغمبر کھلی نشانیاں لیکر آتے تو یہ کہتے کہ کیا آدمی ہمارے ہادی بنتے ہیں تو انھوں نے (ان کو) نہ مانا اور منھ پھیر لیا، اور خدا نے بھی بے پروائی کی، اور خدا بے پروا (اور) سزاوار حمد (وثنا) ہے۔
وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۙ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ (الفرقان۔ع۔۱)	اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا پیغمبر ہے، کہ کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، کیوں نازل نہیں کیا گیا اس کے پاس کوئی فرشتہ کہ اس کے ساتھ ہدایت کرنے کو رہتا۔

کبھی رسول کے پیرووں کی معاشی پستی، ان کے پیشوں کی

حقارت، ان کی کم نسبی کا وہ عذر کرتے ہیں، اور جماعت میں شرکت کیلئے اسی کو مانع بنا لیتے ہیں:

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ○

تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ ہم تم کو اپنے ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں، اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں اور وہ بھی رائے ظاہر سے (نہ غور و تعمق سے) اور ہم تم میں اپنے اوپر کسی طرح کی فضیلت نہیں دیکھتے، بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

(ھود - ع - ۳)

کبھی یہ رکاوٹ اس بنا پر ہوتی ہے کہ ان لوگوں نے اپنی دنیاوی اقبال مندی، اور قسمت کی یاوری کی وجہ سے یہ فرض کرلیا ہوتا ہے کہ دنیا میں ہر اچھی چیز کے مستحق ہم ہیں، اور وہ چیز خیر ہی نہیں ہے جو پہلے ہم کو نہ ملے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ

اور کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ اگر یہ دین کچھ بہتر ہوتا، تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے پہلے نہ دوڑ پڑتے، اور جب

فَسَیَقُوْلُوْنَ ھٰذَآ اِفْکٌ قَدِیْمٌ ○ — وہ اس سے ہدایت یاب نہ ہوئے تو اب کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ

(الاحقاف۔ع۔۲)

یہی اسباب ہیں جن کی بنا پر بستی کے آسودہ حال اور فارغ البال لوگ انبیاء کی تکذیب اور ان کی دعوت کی مخالفت میں سب سے پیش قدمی اور تیز دستی کرتے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْھَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِہٖ کٰفِرُوْنَ ○ — اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ جو چیز دے کر تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے قائل نہیں۔

(السبا۔ع۔۴)

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا فِیْ کُلِّ قَرْیَةٍ اَکٰبِرَ مُجْرِمِیْھَا لِیَمْکُرُوْا فِیْھَا — اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے مجرم پیدا کئے کہ ان میں مکاریاں کرتے رہیں۔

(الانعام۔ع۔۱۵)

بہر حال تکبر خواہ اس کی وجہ کچھ ہو، اور اس کے مظاہر کتنے ہی مختلف ہوں، قرآن مجید سے مکمل فائدہ اٹھانے میں سخت مزاحم ہوتا ہے، قرآن مجید کی تعلیم قبول کرنے میں، اس کو اپنے نفس پر جباری

کرنے میں، اور اس کو اپنی زندگی کے معاملات میں حکم بنانے کے لئے اور انبیاءؑ کی رہنمائی قبول کرنے کے لئے تواضع، تسلیم و رضا اور ایثار شرط ہے:—

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ	تمہارے پروردگار کی قسم لوگ
حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ	جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں
بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ	منصف نہ بنائیں، اور جو فیصلہ تم کردو
اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ	اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں،
وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۞	بلکہ اسے خوشی سے مان لیں، تب
(النساء۔ ع۔ ۹)	تک مومن نہیں ہوں گے

۲ مجادلہ

قرآن مجید کے بارے میں بغیر کسی روشنی کے بحث و مباحثہ کرنا، اس کو اپنی لسانی اور لفاظی سے مغلوب کرنے کی کوشش کرنا، اس کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنا قرآن کی ہدایت سے محروم رکھتا ہے اور سینے کے چھپے ہوئے تکبر کا پتہ دیتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ	جو لوگ بغیر کسی دلیل کے جو اُن کے
اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ	پاس آئی ہو، خدا کی آیتوں میں جھگڑتے
اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ	ہیں ان کے دلوں میں اور کچھ نہیں
مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ	(ارادہ) عظمت ہے، اور وہ اس کو

بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○	سے بچنے والے نہیں، تو خدا کی پناہ مانگو، بے شک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔
(المؤمن۔ ع۔ ۶)	
وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ○	اور جنھوں نے ہماری آیتوں میں کوشش کی کہ ہمیں ہرا دیں گے، ان کے لئے سخت درد دینے والے عذاب کی سزا ہے۔
(السبا۔ ع۔ ۱)	
اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ○	جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو، خدا کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں، خدا کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ جھگڑا سخت ناپسند ہے، اسی طرح خدا ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔
(المؤمن۔ ع۔ ۴)	
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ	اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا، وہ دھوکے دینے کیلئے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے۔
(الانعام۔ ع۔ ۱۴)	

۳ انکارِ آخرت اور دُنیا پرستی

عقائدِ کفر میں سے آخرت کا انکار قرآن سے متاثر ہونے اور اس سے فائدہ اُٹھانے سے بہت مانع ہوتا ہے، اس لئے کہ قرآن کی ترغیب و ترہیب اور وعظ و اصلاح کی ایک اہم بنیاد آخرت ہے، وہ آخرت سے ڈراتا ہے، آخرت کے ثواب کی اُمید دلاتا ہے اور اس اہم سفر کے تمام ضروری معلومات، اور اس کی پیش آنے والی منزلوں کی صحیح اطلاع، اور ضروری ہدایات دیتا ہے، اس لئے جو لوگ آخرت کے متوقع ہیں، وہ قرآن مجید سے کسی حال میں مستغنی نہیں ہو سکتے، اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:——

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ	اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے
يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى	ہیں، وہ اس کتاب پر بھی ایمان
صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ○	رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی
(الانعام، ع۔ ۱۱)	(پوری) خبر رکھتے ہیں۔

لیکن جو لوگ آخرت کے منکر ہیں، یا عقیدۃً منکر نہیں ہیں مگر عملاً اُن پر دُنیا پرستی اور دُنیا غالب ہے، اور زندگی کے تمام مسائل میں ان کا نقطۂ نظر بالکل مادی ہے، ان کے لئے قرآن بے اثر یا کم اثر ہے:

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا	اور جب تم قرآن پڑھا کرتے ہو تو
بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ	ہم تم میں اور ان لوگوں میں جو

بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝

(بنی اسرائیل۔ ع۔ ۵)

آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں، حجاب پر حجاب کر دیتے ہیں، اور ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں، کہ اسے سمجھ نہ سکیں، اور ان کے کانوں میں ثقل پیدا کر دیتے ہیں اور جب تم قرآن میں اپنے پروردگار یکتا کا ذکر کرتے ہو تو وہ بدک جاتے ہیں اور پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

(النحل۔ ع۔ ۱۴)

جو لوگ خدا کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے، ان کو خدا ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لئے عذاب الیم ہے۔

فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝

(النحل۔ ع۔ ۳)

تو جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل انکار کر رہے ہیں، اور وہ سرکش ہو رہے ہیں۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۥ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ

تو جو ہماری یاد سے روگردانی کرے اور صرف دنیا کی زندگی کا خواہاں ہو اس سے تم بھی منہ پھیر لو، انکے

مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ۝

(النجم۔ ع۔ ۲)

علم کی یہی انتہا ہے، تمہارا پروردگار اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اُسکے راستہ سے بھٹک گیا، اور اس سے بھی خوب واقف ہے جو رستہ پر چلا۔

مادیت کا غلبہ ان میں ایسی بلادت اور غباوت پیدا کر دیتا ہے کہ غیر مادی چیزوں کے بارے میں اُن کا دماغ کام ہی نہیں کر سکتا، اور وہ ان چیزوں کا انکار کر دیتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ۝

(یونس۔ ع۔ ۱)

جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں، اور دُنیا کی زندگی سے خوش اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں۔

بَلِ ادَّارَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا ۖ بَلْ هُم مِّنْهَا عَمُونَ ۝

(النمل۔ ع۔ ۵)

بلکہ آخرت (کے بارے) میں ان کا فکر تھک کر گر گیا بلکہ وہ اس کی طرف سے شک میں ہیں بلکہ اس سے اندھے ہو رہے ہیں۔

ایک چیز جو کفار سے مخصوص نہیں، وہ قرآن کی آیات متشابہات سے اپنے اغراض کے لئے استدلال کرنا، اور لوگوں کو تحریف اور

غلط تاویل سے گمراہ کرنا ہے، جس کا سبب دلوں کی کجی اور بدنیتی ہے:

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ؕ

(آل عمران۔ع۔۱)

وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں، اور بعض متشابہ ہیں، تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کی اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں، اور مُرادِ اصلی کا پتہ لگائیں۔

وہ صفات جو قرآن کے فہم و استفادہ کیلئے معاون ہیں

١ طلب

قرآن سے منتفع ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کی طلب پیدا ہو، جس کو سرے سے اس کی طلب نہیں، اس کے لئے قرآن کیا موثر ہو سکتا ہے؟ اللہ کی سنت یہی ہے کہ وہ طلب پر دیتا ہے اور طلب کی اس کے یہاں بڑی قیمت ہے، موجودہ حالت پر بے اطمینانی اور عدم قناعت، اصلاح حال کی کوشش اور راستہ کی تلاش اس کے یہاں سعادت کا پہلا قدم ہے، پہلی چیز انابت ہے، دوسری چیز تغیر حال،

وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ○ (الرعد ع ٤-٣)
وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ○ (الشوریٰ ع ٢-٢)

اللہ لوگوں کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۔ (الرعد۔ ع ۲)	بیشک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں ۔

دین میں استغنا اور بے نیازی، محرومی اور بدبختی کی نشانی ہے :۔

فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ○ (التغابن۔ ع ۱)	تو انھوں نے (ان کو) نہ مانا اور منھ پھیر لیا اور خدا نے بھی بے پروائی کی اور خدا بے پروا (اور) سزاوار حمد (وثنا) ہے ۔
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ○ (فاطر۔ ع ۳)	اے لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج ہو، اور اللہ ہی مستغنی اور لائق حمد ہے ۔

جن لوگوں میں دین کی طلب نہیں، اور دین کی صدا میں اُن کے لئے کوئی کشش باقی نہیں رہی، ان کے لئے فرماتا ہے :۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ○ (یونس۔ ع ۵)	کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں خواہ وہ بے عقل ہوں ۔
اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ○ (یونس۔ ع ۵)	کیا آپ ہدایت دے سکتے ہیں گمراہوں کو اگرچہ وہ دیکھتے نہ ہوں ۔
فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا	آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں، نہ آپ

مُدْبِرِيْنَ ○ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (النمل ع ۶)

بہروں کو آواز سُنا سکتے ہیں، آپ انھیں لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور فرمانبردار ہیں۔

۲ استماع واتباع

قرآن بہرحال ایک صحیفہ اور ایک تعلیم ہے، اس سے منتفع ہونے کا پہلا ذریعہ یہی ہے کہ اس کو غور سے سنئے، جو سرے سے کان لگا کر سنتا ہی نہیں، اس کے بعد کے مراحل کیا طے کرے گا؟

فَبَشِّرْ عِبَادِ ○ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

(الزمر۔ ع۔ ۲)

آپ بشارت دیجئے میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنتے ہیں، اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور یہی صاحب عقل ہیں۔

لیکن صرف غور سے سُن لینا کافی نہیں، جو حصہ عمل کے قابل ہو، اس پر عمل کرنا ضروری ہے، علم بلا عمل ایک دماغی تعیش ہے، اس لئے استماع کے بعد اتباع کا ذکر کیا۔

(۳) خوف

قرآن کی بنیاد خدا کے خیال اور اس کے خوف پر ہے، جس کا دل بالکل خدا کے خوف سے خالی ہے، اور جس کے لئے خدا کے نام میں کوئی اثر اور کشش نہیں اس میں درحقیقت دین کا مادہ نہیں اور وہ گویا کہ دین کے حاسّہ سے محروم ہے، اور جب کسی کا کوئی حاسّہ کم ہو تو اس کے محسوسات کا وہ کسی طرح حس اور ادراک نہیں کر سکتا، قرآن نے اپنے کو ان کے لئے مفید بتایا ہے جن کے دل پر خدا کے نام کا اثر ہوتا ہے، اور ان کے خاکستر میں کوئی دبی ہوئی چنگاری موجود ہے، باقی جن کے دل کی انگیٹھیاں بالکل سرد ہو چکی ہیں، وہ قرآن ٹھنڈے دل سے سنتے ہیں، اور ان میں کوئی گرمی نہیں پیدا ہوتی۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ۝ (قٓ۔ ۴۵)	آپ قرآن کے ذریعہ سے ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہئے جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔
إِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (یٰسٓ۔ ع۔ ۱)	آپ انھیں کو ڈرا سکتے ہیں جو قرآن کی پیروی کریں اور خدا سے بن دیکھے خوف کریں۔
سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَخْشٰى ۝	عنقریب نصیحت حاصل کریں گے

(سورۃ الاعلیٰ) — وہ لوگ جن کے دل میں خشیت الٰہی ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۔
(الزمر۔ع۔۳)

پس تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل اللہ کے ذکر کی طرف سے سخت ہو چکے ہیں۔

④ ایمان بالغیب

دین کا ایک بہت بڑا اور اہم حصّہ وہ ہے جو انسان کے حواسِ خمسہ اور اس کی عقل کے حدود سے باہر ہے، یہ دین کے وہ بہت سے حقائق ہیں جن کا ادراک وہ اپنے حواس ظاہری سے نہیں کر سکتا نہ وہ چیزیں دیکھی جا سکتی ہیں نہ چھوئی جا سکتی ہیں، نہ سونگھی جا سکتی ہیں اور نہ چکھی جا سکتی ہیں، اور نہ ان میں عقل کام دے سکتی ہے، اس لئے کہ عقل کا کام صرف یہ ہے کہ وہ محسوسات اور معلومات، اور تجربات کے ذریعہ غیر محسوس اور غیر معلوم چیزوں کا علم حاصل کرے، جن چیزوں کا علم حواس اور تجربات کے ذریعہ سے ممکن نہ ہو، اس کے مبادی تک حاصل نہ ہوں، اور وہاں قیاس کی بنیاد سرے سے موجود نہ ہو وہاں عقل کیا کام دے سکتی ہے؟[۱]

۱؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "مذہب و تمدن" ص۱۳۱ رحمۃ

اللہ تعالیٰ کے صفات، وحی، فرشتے، آخرت، جنت اور دوزخ یہ سب وہ چیزیں ہیں، جو خلاف عقل نہیں، لیکن ورائے عقل ضرور ہیں، یہ سب غیب[1] میں شامل ہیں، جس کے لئے انبیاءؑ پر اعتماد کرنا، اور جو کچھ وہ بتائیں اسکو قبول کرنا یہی ایمان بالغیب ہے، جو لوگ اپنے یقین اور اعتقاد کے لئے مادیات اور محسوسات کے پابند ہیں، اور جو چیز ان کے عقل و قیاس میں نہ آئے ان کا انکار کر دیتے ہیں، وہ حقیقت میں دین کی حقیقت سے ناواقف ہیں، ان کے لئے دین کی سرحد میں داخل ہونا ہی مشکل ہے، وہ قرآن سے منتفع نہیں ہو سکتے، اور ان کے لئے قرآن مجید میں قدم قدم پر مشکلات ہیں، مگر جو لوگ حواس پرست نہیں ہیں، اور ممکنات کے دائرہ کو وسیع سمجھتے ہیں، موجودات اور محسوسات میں محصور نہیں سمجھتے، دین کی حقیقت سے آشنا ہیں صحیح اور قطعی علم کا سرچشمہ انکے لئے صرف وحی الٰہی ہے، اور ان کو انبیاءؑ کی اطلاع اور تعلیم پر کلی اعتماد ہے، ان کے لئے کوئی مشکل مشکل نہیں، دین پورا ان کے لئے ایک مفہوم حقیقت، اور قرآن ان کے لئے سراپا ہدایت ہے۔

---

[1] الغیب ماغاب عن الحس والعقل غیبۃ کاملۃ بحیث لا یدرک بواحد منہما بطریق البداہۃ (تفسیر شیخ ابو السعودؒ) غیب وہ ہے جو حواس اور عقل دونوں سے پورے طور پر اسطرح مستور ہو کر ان میں سے کسی ایک کے ذریعہ بھی قطعی طور پر اسکا ابتدائی ادراک بھی نہ ہو سکے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ۝ (البقرۃ آیت ۲-۳)

یہ قرآن ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لئے، جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ (البقرۃ ۔ ع ۔ ۳)

پس وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے، ان کے پروردگار کی طرف سے، اور کافر کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ کی کیا مراد ہے، بہتوں کو اس کے ذریعہ گمراہ کرتا ہے، اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے اور گمراہ صرف نافرمانوں ہی کو کرتا ہے۔

وہ لوگ جن پر مادیت اور حسیّت پورے طور پر طاری ہوتی ہے اور وہ ایمان بالغیب کے بغیر دین کے ماوراءِ عقل حقائق کی گرہ کشائی کی کوشش کرتے ہیں، ان کی کوشش اس شخص کی طرح ہوتی ہے جو بغیر کسی زینہ کے بلندی کی طرف جانا چاہے، یا بغیر پَر اور بازو کے اُڑنا چاہتا ہے، وہ جس قدر اوپر جانے کی کوشش کرتا ہے، اس کی مادیت اور کثافت اس کو نیچے کی طرف لاتی ہے، اور اس کا حال وہ ہوتا ہے جس کی قرآن مجید نے اپنے بلیغ الفاظ میں اس طرح تصویر کھینچی ہے :-

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (الانعام ع۔ ۱۵)

جس کو اللہ ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کردیتا ہے، اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ تنگ بنا دیتا ہے، گویا کہ وہ آسمان میں اُڑا جارہا ہے، اسی طرح اللہ خباثت میں ڈال دیتا ہے ان لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے۔

⑤ تدبُّر

قرآن سے فائدہ اُٹھانے کے لئے تدبر بھی شرط ہے، قرآن نے جابجا تدبر کی ترغیب دی ہے، اور مومنین کی تعریف کی ہے، جو قرآن مجید کو سوچ سمجھ کر پڑھتے ہیں، اور اس پر اندھے بہرے ہوکر نہیں گرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ○ (الفرقان)

اور وہ کہ جب ان کو پروردگار کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں، تو ان پر اندھے اور بہرے ہوکر نہیں گرتے (بلکہ غور سے سُنتے ہیں)

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ

بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے،

عَلٰی قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُهَا۝ (محمد۔ ۳)

یا ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔؟

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا۝ (النساء۔ ع۔ ۱۱)

بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔

(۶) مجاہدہ

قرآن کے فہم اور تدبر میں اور اس پر عمل کرنے میں (کسی درجہ کا) مجاہدہ اور مشقت بھی ضروری اور مفید ہے، قرآن ان انسانی کتابوں میں سے نہیں ہے جن کے مضامین کا احاطہ اور انکے مصنفین کا مقصد آدمی محض اپنی ذہانت یا علم کی بنا پر معلوم کرلیتا ہے، اللہ کا منشا معلوم کرنے کے لئے اللہ کی رضا اور اعانت کی ضرورت ہے، جب انسان اس کے لئے تکلیف اٹھاتا ہے طہارت اخلاق، اور تزکیہ نفس سے کام لیتا ہے، تو اللہ کی رحمت بھی اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اور اللہ اپنی کتاب کے لئے اس کا سینہ کھول دیتا ہے، اور اس کو فہم عطا کرتا ہے، قرآن چونکہ نہایت لطیف چیز ہے، اس لئے جس قدر انسان کی مادی کثافت کم ہوتی ہے، اسی قدر قرآن سے مناسبت

پیدا ہوتی ہے، اور قرآن کا جمال بے نقاب نظر آتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (العنکبوت۔ آیت ۶۹)	اور جن لوگوں نے ہمارے لئے کوشش کی، ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھا دیں گے اور خدا تو نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ جب کوئی انسان کسی مقصد کے لئے تکلیفیں اٹھاتا ہے، اور قربانیاں کرتا ہے، تو اس کی کیفیتیں اس کے اوپر پوری طرح طاری ہو جاتی ہیں، اور اس کو صحیح لذت و حلاوت ملتی ہے۔

تیسرے یہ کہ قرآن کا ایک بڑا حصہ عملی ہے، وہ محض نظری طور پر سمجھ میں نہیں آ سکتا، الفاظ و معانی کا علم تو حاصل ہو سکتا ہے لیکن صحیح تحقیق و مشاہدہ عمل اور تجربہ کے بغیر نہیں ہو سکتا، صحابۂ کرامؓ کے فہم قرآن کا یہ بھی ایک امتیاز تھا

(۷) ادب و عظمت

قرآن مجید سے استفادہ، اس سے ہدایت و فیض حاصل کرنے، اور روح و قلب کو اس سے جِلا و غذا دینے کے سلسلے میں اس حقیقت کا ملحوظ رہنا بھی ضروری اور مفید ہے کہ وہ محض معلومات کا کوئی دفتر، یا ضوابط و قوانین کا کوئی مجموعہ نہیں ہے،

جس کو کسی طرح بھی پڑھ لیا جائے، اور اس کے مضامین و مندرجات سے آگاہی حاصل کر لی جائے، وہ اس احکم الحاکمین اور سلطان السلاطین کا کلام ہے، جو جمال و کمال اور عطا و نوال کی تمام صفتوں سے متصف ہے، اور جس کی صفت ہے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ

(سورۃ الحشر، آیت ۲۳)

وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، بادشاہ حقیقی پاک ذات (ہر عیب سے) سالم امن دینے والا نگہبان، غالب، زبردست بڑائی والا ہے۔

اور جس نے اپنے کلام کے متعلق خود فرمایا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۝

(سورۃ الحشر، آیت ۲۱)

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ خدا کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے اور یہ باتیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ فکر کریں۔

اور جس کے متعلق وہ فرماتا ہے:

فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ

قابل ادب ورقوں میں لکھا ہوا، جو بلند مقام پر رکھے ہوئے (اور)

بَرَرَةٍ ۝ | پاک ہیں (ایسے) لکھنے والے کے ہاتھوں میں جو سردار اور نیکوکار ہیں

(سورۂ عبس۔ آیت ۱۵)

اور نیز ارشاد ہے :—

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝[1] | یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے (جو) کتاب محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں، جو پاک ہیں۔

(الواقعہ۔ آیت ۷۹)

اس کا قدرتی اور طبعی نتیجہ ہے کہ جن لوگوں کو اس سے مناسبت اور اس کلام کے نازل کرنے والے کے مقام سے کچھ بھی واقفیت ہوتی ہے، اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے :—

وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ | اور جب انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

(الانفال۔ آیت ۲)

---

[1] مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اپنے حواشی قرآن میں لکھتے ہیں "یعنی اس قرآن کو نہیں چھوتے مگر پاک لوگ، یعنی جو صاف دل اور پاک اخلاق رکھتے ہیں، وہی اس کے علوم و حقائق تک ٹھیک رسائی پا سکتے ہیں، یا اس قرآن کو نہ چھوئیں مگر پاک لوگ، یعنی بدون وضو کے ہاتھ لگانا جائز نہیں، جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے (بقیہ ص ۱۷۳ پر)

نیز فرمایا،

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ
كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ
مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ
رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ
جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ
اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ
هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ
مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

اللہ نے بہترین کلام اُتارا، ایک ایسی
کتاب جس کے تمام اجزا باہم رنگ ہیں، اور
جس میں بار بار مضامین دُہرائے گئے ہیں،
اسے سُن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے
ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے
ہیں، اور پھر ان کے جسم اور ان کے
دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب
ہو جاتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے
جس سے وہ راہ راست پر لے آتا ہے

(بقیہ حاشیہ ص۱۷۲) اس وقت لایمسّہ کی نفی نہی کے لئے ہوگی"۔ اھ
مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت میں یہ آیت نحوی اصطلاح میں خبر کے معنی میں ہے
اور دوسری صورت میں انشاء کے معنی میں مفسر کبیر ابن کثیر لکھتے ہیں:۔
"ولفظ الآیۃ خبر ومعناها الطلب، قالوا: والمراد بالقرآن ههنا المصحف"
آگے انھوں نے مؤطا کی روایت نقل کی ہے، جو ابو داؤد کے مراسیل میں بھی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ولا یمس القرآن الا طاہر" ابن کثیر
نے اسکو قابل اعتماد قرار دیا ہے، اگرچہ اس مضمون کی اکثر احادیث کی اسانید میں کلام ہے
لیکن فن حدیث کے اصول کے مطابق مجموعی طور پر اسکی اصل ثابت ہوتی ہے اور اس سے استدلال درست ہے

مَنْ هَادٍ ○ (الزمر - ع - ۳)

جسے چاہتا ہے، اور جسے اللہ ہی ہدایت نہ دے اسکے لئے پھر کوئی ہادی نہیں

ایسے تلاوت کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہے :۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (البقرۃ - ع - ۱۴)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ تلاوت کرتے ہیں، جیساکہ اس کے تلاوت کا حق ہے، اور وہ اس پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں، اور جو لوگ کفر کا رویہ اختیار کریں، وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

یعنی جس عزت سے بادشاہ کا کلام، اور جس شوق سے محبوب کا پیام پڑھا جاتا ہے، اسی شوق سے پڑھتے ہیں۔

اس سلسلہ میں دو چیزوں کا مطالعہ اور اہتمام مفید ہے، ایک یہ کہ احادیث صحیحہ کے مجموعوں میں ان حدیثوں کا اہتمام سے مطالعہ کیا جائے، جو قرآن مجید کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں[1]

دوسرے سیر و تراجم کی کتابوں میں صحابہؓ اور تابعینؒ، ائمہ مجتہدین، فقہاء و محدثین، علماء ربانیین، اور اولیاء عارفین کے

---

[1] اردو داں حضرات کے لئے "فضائل قرآن مجید" (از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب) کا مطالعہ مفید ہوگا۔

ان واقعات وحالات کا پڑھنا چشم کشا، شوق انگیز اور مُروح پرور ثابت ہوگا، جن میں ان کے قرآن مجید کے ساتھ عشق وشغف اس کے ادب وتعظیم کی کیفیت، تلاوت کے وقت ان پر اثرات وکیفیات کو بیان کیا گیا ہے۔[1]

اگلے صفحات میں چند واقعات مستند کتابوں سے "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر نقل کئے جاتے ہیں، جن سے صحابہؓ و تابعینؒ اور ان کے متبعین سابقین اور علماء ربانیین کے قرآن مجید سے شغف، ادب وعظمت اور تاثر وکیفیت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

---

[1] حسب ذیل کتب میں اس سلسلے کے بڑے پر اثر واقعات اور وجد انگیز حالات ملیں گے: (۱) کتاب قیام اللیل ــــ محمد بن نصر المروزی

(۲) صفۃ الصفوۃ ــــ لابن الجوزی

(۳) إحیاء العلوم ــــ للامام الغزالی

(۴) حلیۃ الأولیاء ــــ ابونعیم اصفہانی

تلاوت و تدبّر قرآن کے

چند واقعات اور نمونے

عنوانِ بالا کے ماتحت صحابہؓ و تابعینؒ، ائمہ اسلام، علمارراسخین اور بلند پایہ مشائخ اور اہلِ قلوب کے چند واقعات درج کئے جاتے ہیں، جن سے ان کے قرآن مجید کے ساتھ عشق و شغف، اس کے ادب و عظمت، اس کی تلاوت میں ان کی محویت و استغراق اور اس کی لذت و کیفیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، اس سلسلہ کی ابتدا خود اس ذات قدسی سے کی جاتی ہے جس پر قرآن مجید کا نزول ہوا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے قرآن مجید سُناؤ، میں نے کہا، آپؐ ہی پر نازل ہوا ہے اور آپؐ ہی کو سناؤں؟ فرمایا کہ ہاں! میں دوسرے سے سُننا چاہتا ہوں،

میں نے سورۂ نساء پڑھنی شروع کی، جب اس آیت پر پہونچا،

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ (سورۂ نساء۔ ۴۔ ۵)

سو اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک ایک گواہ حاضر کریں گے اور ان لوگوں پر آپ کو بطور گواہ کے پیش کریں گے

تو مجھے کسی نے ہاتھ لگا کر متوجہ کیا، میں نے سر اٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مائدہ کی آیت ____

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (المائدہ۔ ع۔ ۱۵)

تو اگر انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بھی تو زبردست ہے حکمت والا ہے۔

پر پوری رات گذار دی اور صبح ہو گئی۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ بڑے رقیق القلب تھے، قرآن پڑھتے وقت آنکھوں کو قابو میں نہ رکھ سکتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔

ابو رافعؒ کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت عمرؓ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہا تھا، میں مردوں کی اس آخری صف میں تھا جس کے بعد

---

[1] قیام اللیل ص۵۸ یہ روایت صحیحین میں بھی ہے۔

عورتوں ہی کی صف ہوتی ہے، آپؓ سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہونچے:۔۔۔۔۔۔۔۔۔

إِنَّمَآ أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللّٰهِ۔ (یوسف۔ ع۔ ۱۰)

(یعقوبؑ نے کہا) میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس اپنے اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔

حضرت عمرؓ بلند آواز سے قرآن شریف پڑھتے تھے، آپؓ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ مجھے اُن کی ہچکیوں کی آواز دور سے سُنائی دی۔

ابنِ عمرؓ کی بھی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ پر صبح کی نماز میں ایک مرتبہ ایسا گریہ طاری ہوا کہ میں نے ان کی ہچکی کی آواز تین صفوں کے پیچھے سُنی۔

حضرت حسنؒ بصری سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے رات کے ورد میں کبھی کبھی کوئی آیت پڑھتے تو اتنا روتے کہ گر جاتے اور آپؓ کو گھر میں اتنا ٹھہرنا پڑتا کہ لوگ عیادت کے لئے آتے[1]

محمدؒ ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ پوری پوری رات ایک رکعت میں گذار دیتے تھے جس میں پورا قرآن شریف پڑھ لیتے تھے[2]

---

[1] یہ سب روایات امام محمد ابن نصر مروزی کی کتاب "قیام اللیل" سے ماخوذ ہیں
[2] الاستیعاب ج ۲، ص ۴۷۴ طبع حیدرآباد ۱۳۱۹ھ

امام احمدؒ اور ابن عساکرؒ کی روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ کہتے تھے کہ اگر تمہارے دل پاک ہو جائیں تو تم کو کبھی کلام اللہ سے سیری نہ ہو، میں نہیں چاہتا کہ میری عمر میں کوئی دن ایسا گذرے جس میں مجھے قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کی نوبت نہ آئے، حضرت عثمانؓ کی شہادت ہوئی تو جس مصحف میں وہ پڑھا کرتے تھے وہ ان کی کثرت تلاوت سے جا بجا سے شکستہ ہو گیا تھا۔[۱]

ابن عمیرؒ کہتے ہیں کہ مجھے سورہ یوسف حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھنے سے یاد ہو گئی کیونکہ وہ کثرت سے فجر کی نماز میں یہ سورہ پڑھتے تھے۔[۲]

حضرت علیؓ مرتضیٰ کو وفاتِ نبوی کے بعد قرآن شریف کے حفظ میں اتنا انہماک ہوا کہ کئی روز تک گھر سے باہر نہیں نکلے۔[۳]

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص، عبداللہؓ بن عمرؓ، عبداللہ ابن رواحہؓ، عبداللہؓ ابن عباسؓ، عبدالرحمٰنؓ ابن عوف جیسے صحابۂ کبارؓ متعدد تابعین عظام سعیدؒ بن جبیر، مالکؒ بن انس، منصورؒ ابن المعتمر کے متعلق رقت و خشوع اور گریہ وبکا کی ایسی ہی روایات حدیث

---

[۱] حیاۃ الصحابۃ مولانا محمد یوسفؒ ج ۳ ص ۲۴-۲۳ طبع دمشق

[۲] ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۱۲۸

[۳] الاستیعاب ج ۲ ص ۴۷۷

وتاریخ کی کتاب میں آئی ہیں۔[1]

زرارہ ابن اوفی کے متعلق تو یہانتک بیان کیا گیا ہے کہ وہ جامع مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے، سورہ مدثر کی یہ آیت جب انھوں نے پڑھی:۔

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ۝ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ۝	پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا سو وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا نہ کہ آسان۔

(المدثر۔ع۔۱)

تو ان کی رُوح پرواز کر گئی اور وہ گر گئے، بہزؒ ابن حکیم کہتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں تھا جو ان کی نعش اٹھا کر گھر لائے۔

غُلَیبؒ نماز پڑھ رہے تھے، جب انھوں نے آیت كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ پڑھی تو اس کو بار بار دُہراتے رہے، کسی نے گھر کے ایک گوشہ سے آواز دی، کہاں تک اس آیت کو دُہراتے رہو گے، نہ معلوم کتنوں کے جگر شق ہو گئے۔

ایک صاحب نے آیت پڑھی:۔

ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۝ (الانعام۔ع۔۸)	پھر وہ (سب) واپس لائے جائیں گے اپنے مالک حقیقی کے پاس۔

---

[1] ملاحظہ ہو قیام اللیل ص ۵۷ تا ۶۰

حمزہ حضرت اسماءؓ (بنت ابوبکر صدیقؓ) کے خادم کہتے ہیں کہ حضرت اسماء نے مجھے بازار بھیجا، اس وقت وہ سورۂ طور کی تلاوت کر رہی تھیں اور آیت "ووقانا عذاب السموم" تک پہونچی تھیں، میں بازار گیا بھی اور واپس بھی آگیا اور وہ ابھی تک یہی آیت پڑھ رہی تھیں۔

حضرت تمیمؓ داری مقام ابراہیمؑ پر آئے اور سورۂ جاثیہ پڑھنی شروع کی:

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا	کیا جو لوگ بُرے بُرے کام کرتے
السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ	ہیں اس خیال میں ہیں کہ ہم انھیں
كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ	ان جیسا رکھیں گے جو ایمان لائے
سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ	اور نیک عمل کرتے رہے کہ انکی زندگی
سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ○	اور انکی موت یکساں ہی رکھیں سو
(الجاثية۔ ع۔ ۲)	کیسا بُرا حکم یہ لوگ لگاتے ہیں۔

تو اس کو برابر دہراتے رہے اور روتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

حضرت سعیدؒ بن جبیر رمضان میں امامت کر رہے تھے جب وہ آیت:

فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ○ إِذِ الْأَغْلَالُ	جبکہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں
فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ	ہوں گی ان کو گھسیٹے ہوئے کھولتے

يُسْحَبُوْنَ ۙ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ	ہوئے پانی میں لے جایا جائے گا
فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۚ	پھر آگ میں جھونک دیئے جائیں
(المؤمن - ع - ۸)	گے۔

پر آتے تو بار بار اسی کو دہراتے رہے، ایک رات تہجد میں یہ آیت پڑھی:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ	اور اس دن سے ڈرتے رہو جس
اِلَى اللّٰهِ	میں تم (سب) اللہ کی طرف لوٹائے
(البقرۃ - ع - ۳۳)	جاؤ گے۔

تو اس کو کچھ اوپر بیس مرتبہ دہرایا، وہ رات کو اتنا روتے تھے کہ ان کی آنکھوں پر اثر پڑ گیا۔

حضرت مسروقؒ (تلمیذ حضرت ابن عباسؓ) بعض دن عشاء سے لیکر فجر تک سورہ رعد ہی پڑھتے رہے۔

ہارون ابن ایاب اسدی کبھی تہجد میں پوری آیت:

يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ	کہیں گے کہ کاش ہم پھر واپس بھیج
بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ	دیئے جائیں تو ہم اپنے پروردگار کی
الْمُؤْمِنِيْنَ ۝	نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور ہم ایمان لانے
(الانعام - ع - ۳)	والوں میں سے ہو جائیں۔

پڑھنے میں گذار دیتے اور روتے رہتے۔

حضرت حسن بصریؒ نے ایک پوری رات اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

تخضوعا کی تکرار اور ورد میں گزار دی اور صبح ہو گئی، لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا اس میں بڑی عبرت و موعظت ہے ہم جب بھی نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو کسی نہ کسی اللہ کی نعمت کا نزول ہوتا ہے اور جو ہم نہیں جانتے اس کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے۔[1]

امام ابو حنیفہؒ نے ایک مرتبہ تہجد میں آیت پڑھی:——

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ	لیکن ان کا اصل وعدہ تو قیامت
وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ۝	(کے دن) کا ہے اور قیامت بڑی
(القمر۔ ع۔۳)	سخت اور ناگوار چیز ہے۔

وہ برابر اسی آیت کو دہراتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔[2]

یہ سلسلہ ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک عہد سے دوسرے عہد تک منتقل ہوتا رہا اور امت کا کلام الٰہی سے عشق و شغف تسلسل کے ساتھ اور قرآن مجید کا فیض اور اس کی تاثیر بغیر کسی انقطاع اور وقفہ کے جاری رہی، تاریخ و سیر کی کتابوں نے ہر دور کے علمائے راسخین، معلمین و مصلحین اور محققین و عارفین کے قرآن مجید کے ساتھ عشق و شغف اس کی تلاوت میں محویت و استغراق اور اس میں ان

---

[1] یہ سب واقعات قیام اللیل محمد ابن نصر المروزی سے ماخوذ ہیں۔

[2] الخیرات الحسان للشیخ احمد بن حجر الھیثمی المکی

کی حلاوت ولذت کے واقعات محفوظ کر دیئے ہیں، یہاں پر چند اکابرامت کے واقعات نقل کئے جاتے ہیں:

مشہور مصنف و محدث، مؤرخ و ناقد علامہ ابن جوزی ہر ہفتہ ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے[1] سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس کو قرآن مجید سننے کا بڑا شوق تھا، کبھی کبھی اپنے برج میں پہرہ داروں سے دو دو تین تین، چار چار پارے سُن لیتے تھے بڑے خاشع وخاضع اور رقیق القلب انسان تھے، قرآن مجید سُن کر اکثر آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے[2] شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ ، شعبان ۷۲۶ھ کو نظربند کئے گئے، جہاں انھوں نے ۲۲ ذی القعدہ ۷۲۸ھ کو سفر آخرت اختیار کیا۔ اس فرصت میں ان کا سب سے بڑا مشغلہ اور ورد تلاوت قرآن تھا، وہ اس مجلس میں تقریباً دو سال چار ماہ رہے، اس مختصر مدت میں انھوں نے اپنے بھائی شیخ زین الدین ابن تیمیہ کے ساتھ قرآن مجید کے اسّی دور ختم کرنے کے بعد جب نیا دور شروع کیا، اور سورہ قمر کی اس آیت پر پہونچے:

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ	جو پرہیزگار ہیں ان باغوں اور نہروں
فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ	کے درمیان ہوں گے ایک اعلےٰ

---

[1] روایت ابوالمظفر نبیسہ ابن جوزی [2] تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اوّل

مُقْتَدِرٍ ○ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے نزدیک۔ (القمر۔ ع۔ ۳)

تو بجائے اپنے بھائی زین الدین کے عبداللہ ابن محب اور عبداللہ الزرعی کے ساتھ دَور شروع کیا، یہ دونوں نہایت صالح شخص تھے اور آپس میں حقیقی بھائی تھے، امام ابن تیمیہ کو ان کی قرأت بہت پسند تھی، یہ دَور ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ زندگی کے دن پورے ہو گئے۔ [1]

ان اکابر اسلام کے ماسوا جن کی زبان عربی تھی اور جن کا رات دن کا وظیفہ علوم اسلامیہ کی خدمت اور ان کے بحر کی غواصی تھی، عجمی نژاد مشائخ و صلحائے اُمت کا بھی شغف بالقرآن، ذوق تلاوت، حفظ کا اہتمام اور قرآن مجید میں محویت و استغراق کے واقعات کچھ کم شوق انگیز، سبق آموز اور عبرت خیز نہیں، صدہا واقعات میں سے یہاں چند نقل کئے جاتے ہیں۔

یہ واقعات متقدمین مشائخ تک محدود نہیں، اس کا سلسلہ معاصرین تک جاری ہے۔

آٹھویں صدی کے مشہور بزرگ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء (متوفی ۷۲۵ھ) کو قرآن مجید کا خصوصی ذوق تھا، اس کے حفظ

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت حصّہ دوم ص ۱۲۲ بحوالہ البدایۃ والنہایۃ جلد ۱۴ ص ۱۳۸

کے اہتمام و تلاوت کی کثرت کی تاکید فرماتے تھے، امیر حسن علا سنجری جب حضرت خواجہ سے متعلق ہوئے تو وہ بوڑھے تھے اور شعر و شاعری زندگی بھر کا مشغلہ تھا، حضرت خواجہ نے ان کو ہدایت کی کہ قرآنی ذوق کو شعر و شاعری کے ذوق پر غالب کریں۔ امیر فوائد الفواد میں لکھتے ہیں کہ "بارہا ان مخدوم کی زبان مبارک سے میں نے یہ لفظ سنے ہیں کہ چاہیے کہ قرآن مجید کا پڑھنا شعر کہنے پر غالب آجائے۔"

خواجہ محمد (ابن مولانا بدرالدین اسحٰق) بڑے اچھے حافظ خوش الحان تھے، ان کو آپ نے نماز کا امام بنایا تھا، ان کی قرأت سے آپ بڑے محظوظ ہوتے اور آپ کو ان کی قرأت سن کر بڑی رقت اور ذوق آتا۔[1]

حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (متوفی ۷۸۶ھ) کو بھی قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے سننے کا خاص ذوق تھا، ان کے تربیت یافتہ شیخ زین بدر عربی ان کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ملک حسام الدین کے بھائی امیر شہاب الدین اپنے لڑکے کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور آکر بیٹھ گئے، آپ کی نظر مبارک لڑکے پر پڑی، آپ نے فرمایا، پانچ آیتیں پڑھ سکتے ہو؟ حاضرین

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم ص ۲۲۔۱۲۲، بحوالہ فوائد الفواد ص ۲۲۹ و سیر الاولیاء ص ۲۰۰

نے عرض کیا کہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔ سید ظہیر الدین مفتی کا لڑکا
بھی حاضر تھا، میاں ہلال نے جب یہ دیکھا کہ آپ کو اس وقت
کلام ربانی سننے کا ذوق ہے تو انھوں نے اس لڑکے کو بلایا اور
پانچ آیتیں پڑھنے کی ہدایت کی۔ سیّد ظہیر الدین نے بھی جب یہ
محسوس کیا کہ طبیعت مبارک پر قرآن مجید سننے کا تقاضہ ہے تو اپنے
لڑکے کو اشارہ کیا کہ قرآن مجید کی پانچ آیتیں پڑھو، لڑکا سامنے آیا
اور مؤدب بیٹھ گیا، اس نے سورۂ فتح کی آخری رکوع کی آیتیں
محمد رسول اللہ والذین معہ سے پڑھنی شروع کیں۔ حضرت مخدوم تکیہ
کے سہارے آرام فرما رہے تھے، اُٹھ بیٹھے اور معمول قدیم کے
مطابق باادب دوزانو بیٹھ گئے اور بڑی توجہ سے قرآن سننے لگے"[1]

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۳۴ھ)
کے حالات میں آتا ہے کہ "تلاوت کے وقت چہرہ مبارک اور
پڑھنے کے انداز سے سامعین کو ایسا محسوس ہوتا کہ اسرار قرآنی و
برکات آیات کا فیضان ہو رہا ہے۔ نماز اور بیرون نماز میں خوف
کی آیات پڑھتے یا جن آیات میں تعجب و استفہام آتا ہے اس کا
اندازہ و لہجہ پیدا ہو جاتا۔ رمضان میں تین سے کم ختم نہ کرتے۔ خود

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم ص ۲۲۳ بحوالہ رسالہ وفات نامہ
شیخ زین بدر عربی۔

حافظ قرآن تھے اس لئے غیر رمضان میں بھی زبانی تلاوت فرماتے اور مختلف حلقوں میں بھی سنتے رہے۔[1]

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی (متوفی ۱۳۱۳ھ) ایک روز تلاوت قرآن کر رہے تھے کہ آپ پر کیفیت طاری ہوئی، مولوی سیّد تجمل حسین صاحب سے فرمایا کہ "جو لذت ہم کو قرآن میں آتی ہے اگر تم کو وہ لذت ذرہ بھر آوے تو ہماری طرح نہ بیٹھ سکو، کپڑے پھاڑ کر جنگل نکل جاؤ۔" آپ نے آہ کی اور حجرہ میں تشریف لے گئے اور کئی روز تک بیمار رہے۔[2]

مولانا سید محمد علی صاحب نے فرمایا کہ میں نے ابتدا میں حضرت سے عرض کیا کہ مجھ کو جو مزہ شعر میں آتا ہے، قرآن شریف میں نہیں آتا، آپ نے فرمایا کہ ابھی بُعد ہے، قرب میں جو مزہ قرآن شریف میں ہے کسی میں نہیں۔[3]

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ مجھ سے فرمایا کہ :۔ "قرآن شریف اور حدیث پڑھا کرو کہ اللہ میاں دل پر آکر بیٹھ جاتے ہیں۔"[4] ایک روز آپ نے فرمایا کہ نسبت قرآن کی غایت

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت حصہ چہارم ص ۱۷۹-۱۸۰ بحوالہ زبدۃ المعارف
[2] تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی از مصنف بحوالہ ذکر رحمانی از مولوی سید تجمل حسین
[3] ایضاً بحوالہ مجموعہ رسائل تصوف ص ۳۹
[4] ایضاً بحوالہ کمالات رحمانی ص ۵۲

سلوک ہے۔[1]

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں، ایک بار مولانا محمد علی صاحب وغیرہ کا مجمع تھا، قرآن شریف کا ترجمہ ہوا، رکوع یہ تھا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝	اور آپ (اس) کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے وہ بڑے راستی والے نبی تھے۔
(مریم۔ ع۔ ۳)	

اس کا ترجمہ فرمایا، بعد اس کے وہ آیت پڑھی گئی جو حضرت اسمٰعیلؑ کے بیان میں ہے:

وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝	وہ اپنے پروردگار کے پاس پسندیدہ تھے
(مریم۔ ع۔ ۴)	

ترجمہ فرمایا "کہ تھا اپنے رب کا پیارا" یہ فرما کر چیخ ماری اور آپ پر گویا کیفیت مدہوشی کی طاری رہی اس واقعہ کے بعد دو مہینے سخت علیل رہے۔[2]

ایک مرتبہ جب اس آیت کا ترجمہ پیش ہوا:

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ	اے عیسٰی ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے یہ کہدیا تھا کہ" خدا کے علاوہ مجھے اور میری والدہ کو بھی معبود بنالو"
(المائدۃ۔ ع۔ ۱۶)	

---

[1] تذکرہ بحوالہ مجموعہ رسائل تصوف صہ ۵۹

[2] تذکرہ بحوالہ فضل رحمانی صہ ۴۲

یعنی حضرت عیسیٰؑ کو حکم ہوگا کہ کیا تم نے آدمیوں سے کہہ دیا تھا کہ ہم کو اور ہماری ماں کو خدا سمجھیں اور خدا کو خدا نہ سمجھیں، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گھبرا کر یہ فرمانا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ o یعنی غفور الرحیم کا موقع تھا، مگر العزیز الحکیم فرمایا، اس وقت واقعۂ قیامت گویا سامنے ہوگیا اور کیفیت مصیبت قیامت کی سب پر طاری ہوگئی۔

مجھ کو خیال آتا ہے کہ زیادہ حضرت نے اس آیت سے اس آیت "وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا" پر چیخ ماری کہ سب کو پل صراط سے ایک روز اترنا ہوگا، غرض ہر چیز کا بیان یہاں مجلس میں ہوتا تھا۔ پہلے آپ پر کیفیت آتی تھی اس کے بعد بطور عکس موافق استعداد ہر شخص پر طاری ہوتی تھی۔[1]

اپنے وقت کے مشہور شیخ مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری (متوفی ۱۹۱۹ء۔ ۱۳۳۷ھ) کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> میں نے حضرت کو قرآن مجید پڑھتے دیکھا، تہجد میں طویل تلاوت فرماتے تھے، کبھی رو رہے ہیں، جب عذاب کا ذکر آتا تو رو رو کر استغفار کرتے، ہاتھ جوڑتے اس طرح جب آیاتِ رحمت کا ذکر آتا تو خوش ہوتے، کبھی سکوت طاری ہو جاتا"۔[2]

---

[1] تذکرہ منقول از فضل رحمانی صہ ۳۴

[2] سوانح مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری از مصنف صہ ۲۱

خود حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کا کلام الٰہی میں کیا انداز تھا اس کا کسی قدر اندازہ اس روایت سے ہوگا، جو ایک معتبر خادم نے بیان کی ہے:-

"جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحت اچھی تھی تو رمضان المبارک میں بعد نماز عصر مجلس سے الگ تنہائی میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔ ایک صاحب جو وہیں رہا کرتے تھے، بتلاتے ہیں کہ میں ادھر سے گذرا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قرآن پڑھنے کی کیفیت کو کھڑکی سے دیکھا اور بہت ہی بھلی معلوم ہوئی اور دل ہی دل میں بیساختہ یہ دعا کی کہ اے اللہ اس طرح پر قرآن پڑھنا ہم کو بھی عطا فرما دے، رمضان المبارک کے گذرنے کے بعد غالباً حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ آؤ تمھیں بتلائیں، قرآن ایسے پڑھا کرو، وہ جو قرآن پاک میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام خدا سے باتیں کرتے اور اس شجر سے سنتے تھے اپنے کو وہی شجر تصور کرو، پھر اپنے میں سے قرآن پاک کے نکلتے ہوئے الفاظ کو یوں سمجھو کہ یہ خدائے پاک فرما رہے ہیں اور کانوں سے اسی انداز پر سنو کہ میں اپنے اللہ کا کلام اللہ ہی کی آواز میں سن رہا ہوں، اور یہ فرماتے ہوئے یہی کیفیت اپنے اوپر طاری کرلی اور یہ فرمانے کا یہ اثر ہوا کہ وہی کیفیت جیسے دل میں اتر گئی"۔ [1]

---

[1] سوانح مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری ص۳۴۸، ۳۴۷

ایک تجربہ ایک مشورہ

قرآن مجید سے ذاتی اور قوی تعلق، ربط و مناسبت اور اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ اور اس کے ذریعہ سے ترقی اور قربِ الٰہی حاصل کرنے کے سلسلہ میں ایک تجربہ اور مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے کلام اللہ سے براہِ راست اشتغال اور متن قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کی جائے، اس سے لذت و ذوق حاصل کیا جائے اور اس کے معانی و مضامین میں تدبر سے کام لیا جائے، اگر بقدرِ ضرورت عربی زبان کی استعداد اور اس کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے تو براہ راست، ورنہ کسی معتبر ترجمہ اور مختصر حاشیہ کے ذریعہ حتی الامکان انسانی تفہیم و تشریح کی مدد پر انحصار اور تفسیروں کی بار بار مراجعت کے بغیر قرآن مجید کی تلاوت اس کے سمجھنے اور اس کا لطف لینے کی کوشش کی جائے اور ایک عرصہ تک اسی پر اکتفا کیا جائے، اور

یہ مضمون کچھ ایسا نازک تھا کہ اس بارہ میں بڑا تردد رہا کہ یہ بات لکھی جائے، اور وہ قلم کی گرفت میں آئے گی یا نہیں؟ اور اس سے کسی غلط فہمی کے پیدا ہونے کا اندیشہ تو نہیں ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کے دوران اتفاقاً مولانا عبدالباری صاحب ندوی مرحوم (سابق استاد فلسفہ جدید و تفسیر قرآن جامعہ عثمانیہ حیدرآباد) کے مضمون "میری محسن کتابیں"[2] پر نظر پڑی۔ مولانا کو قرآن مجید کا خاص ذوق اور اس کا فہم عطا ہوا تھا اور مصنف کو اس باب میں ان سے استفادہ کا موقع ملا ہے، یہ دیکھ کر بڑا اطمینان ہوا کہ انھوں نے یہی بات زیادہ خوبی کے ساتھ اپنے خاص انداز میں لکھی ہے، اس اقتباس پر مضمون کو ختم کیا جاتا ہے:۔

"کہنے کی بات نہیں، لیکن آپ سے کہہ دینے کا جی چاہتا ہے، کہ میرا تو یہ حال ہو گیا ہے کہ لغت اور زبان کے اعتبار

---

[1] (حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ بات قرآن مجید کے اوسط درجہ کے تلاوت و مطالعہ کرنے والوں کیلئے ہے۔ علمائے کبار، اساتذہ و مدرسین تصنیفی کام کرنے والوں اور کلامی و فلسفیانہ مسائل پر لکھنے اور بحث کرنے والوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے، ان کو بعض اوقات درجنوں، بیسیوں کتب تفسیر، کتب لغت و نحو اور عارفین و محققین کی تصنیفات کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ [2] مندرج کتاب "مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں" شائع کردہ مکتبہ ندوۃ العلماء لکھنؤ و مجلس نشریات اسلام کراچی

توفیق خداوندی اور اعانتِ الٰہی سے جو کچھ میسر آئے اس پر ہزار زبان سے شکر کیا جائے کہ ع

گرانچہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف است

اس میں سوائے اضطراری موقعوں کے کہ کسی لفظ کی تحقیق، کسی شبہ کے ازالہ اور کسی سببِ نزول کی واقفیت کے بغیر کام نہ چلتا ہو، کتب تفسیر (عربی و اُردو) کی تفصیلی بحثوں مفسرین و مصنفین کی دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں سے پرہیز کیا جائے کہ بعض اوقات قرآن مجید کے چشمۂ صافی پر انسانی عقول و علوم کا ایسا ہی سایہ پڑ جاتا ہے جیسا کہ کسی صاف شفاف چشمہ پر کنارے کے درختوں کے گھنے سایہ کا، اور پھر اس میں وہ لطافت واصلیت اور کلام الٰہی کی حلاوت و لذت باقی نہیں رہتی، جو اس کی اصل جان ہے، بلکہ بعض اوقات یہ تجربہ ہوا ہے کہ پڑھنے والا کسی لائق و ذہین انسان کی تفہیم سے (جس سے وہ پہلے سے متاثر تھا) اس سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہو جاتا ہے جتنا کہ اصل کلام سے اس کو متاثر ہونا چاہیئے، اور اس کے ذہن کے کسی روزن سے یہ بات اس کے شعور میں داخل ہو جاتی ہے کہ اس کلام کی عظمت و جلال اور اس کا حسن و جمال شاید اس تفہیم کے بغیر سامنے نہ آتا اور کم سے کم یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ انسان کلامِ الٰہی کو اس کے کسی خاص مفسر یا شارح یا ترجمان کی عینک ہی سے دیکھنے کا عادی بن جاتا ہے۔[1]

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر

سے معانی سمجھ لینے کے بعد یا اگر کوئی واقعہ طلب شئی ہو تو واقعہ کو سمجھ لینے کے بعد، جہاں اور جس مقدار میں اس کلام اللہ کے ساتھ تفسیر وغیرہ کی صورت میں کلام الناس کو شریک کیا، اسی قدر (ہمیشہ نہیں، لیکن زیادہ تر) ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ جو روشنی ملی تھی اس کی جگہ پھر تاریکی چھانے لگی۔ بس "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى" میں اپنا پرایا جتنا "ہوائی" علم[1] مل جاتا ہے، شاید اتنا ہی خالص وحی کے علم کا حجاب بن کر اس کے فیضان کو روک دیتا ہے، اس لئے میرے نزدیک تو مفسر کے علم و تقویٰ کو معلوم کئے بغیر ہر تفسیر کو پڑھنے لگنا بہت خطرناک ہے، الا آنکہ کسی کا علم و تقویٰ خود کا فی محافظ ہو، اور آجکل تو ہر شخص مفسر ہے اور ہر اخبار و رسالہ اس کی تفسیر شائع کرنے کے لئے کھلا ہوا ہے۔

ایک بات اور سمجھ میں آتی ہے کہ لوگ پورا قرآن سمجھنے سمجھانے کی فکر میں لگ جاتے ہیں، یقیناً سارا قرآن ساری انسانیت کی ہدایت کے لئے ہے، لیکن ہر انسان کے لئے سارا قرآن اسی طرح نہیں جس طرح کرۂ ارض کا سارا رزق ساری انسانیت کے لئے ہے، لیکن ہر انسان کے لئے نہیں، اگر ہر آدمی خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا کے تحت سارے آدمیوں کا

---

[1] ھویٰ کی طرف نسبت ہے۔

کیا، دو چار کا حصہ بھی ہوس میں آ کر کھا جائے تو اکثر صورتوں میں بدہضمی اور بعض میں ہلاکت یقینی ہے ؎

قسمت حق است روزی خوار نے
ہر یکے را سوئے دیگر راہ نے

جس طرح ہر جسمانی غذا کا ہر مزاج و ماحول کے انسان کے لئے موافق آنا ضرور نہیں، وہی حال روحانی غذا کا بھی ہے، بلکہ ارواح کے الوان و اختلافات اجسام سے بہت زیادہ کثیر و متفاوت معلوم ہوتے ہیں، ایک شخص دوسرے کا حصہ کیسے پا سکتا ہے؟"[1]

---

[1] محسن کتابیں صفحہ ۲۶۰۔۲۶۱